۱۰+۵=۱۵

(ب) تماثل، تداخل، توافق اور تباین میں سے ہر ایک کی تعریف کریں؟ ۱۵

سوال نمبر 5: درج ذیل میں سے کوئی پانچ مسائل حل کریں؟ ۵×۸=۴۰

(الف) مسئلہ

بنت ابن اخ اخت

(ب) مسئلہ

اب ابن

(ج) مسئلہ

بنتان عم

(د) مسئلہ

اب ام عشر بنات

(ہ) مسئلہ

زوجہ اب ام

(و) مسئلہ

ست بنات جدۃ لاب ثلاثۃ اعمام

درجہ عالیہ (برائے طلباء) سال اول 2019ء

تیسرا پرچہ: المیراث

سوال نمبر 1: (الف) قال علماؤنا رحمہم اللہ تعالی تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ

ترتیب وار ترکۂ میت کے حقوق قلمبند کریں نیز اصحاب فرائض اور عصبہ کی تعریف کریں؟

جواب: (الف) اموال متروکہ سے وابستہ حقوق:

میت کے اموال متروکہ سے بالترتیب چار حقوق وابستہ ہوتے ہیں جو حسب ذیل ہیں

۱- تجہیز وتکفین، ۲- قضائے دین، ۳- وصیت، ۴- تقسیم وراثت

۱- تجہیز وتکفین:

ترکہ سے متعلق پہلا حق تجہیز وتکفین ہے۔ جہاز ایسے ضروری امور کو کہا جاتا ہے کہ سفر کے دوران

ین کی طرف محتاج ہو، اس طرح تجہیز کا مطلب یہ ہوا کہ میت کے سفر آخرت میں میت کے لیے
اشیاء فراہم کرنا جیسے غسل، کفن وغیرہ۔

قضائے دین:

ترکہ سے متعلق دوسرا حق قضائے دین ہے یعنی تجہیز وتکفین کے بعد میت کا جو مال بچ جائے اس سے
قرض اتارا جائے۔

صیت:

ترکہ سے متعلق تیسرا حق وصیت ہے۔ اگر میت نے اپنی زندگی میں کوئی وصیت کی ہو کہ میرے
ے بعد میرا اتنا مال فلاں جگہ صرف کر دینا وغیرہ تو تجہیز وتکفین اور ادائے قرض کے بعد میت کی
اد تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور اس کے تیسرے حصے سے میت کی وصیت کو پورا کیا جائے گا۔

تقسیم میراث:

ترکہ سے متعلق چوتھا حق تقسیم میراث ہے۔ میت کی تجہیز وتکفین، ادائیگی قرض اور تعمیل وصیت کے
ت کا جو مال بچے اس مال کو ترتیب شرعی کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔

ب فرائض کی تعریف:

اصحاب فرائض وہ افراد ہیں کہ قرآن مجید، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت میں جن
حصہ مقرر ہے۔

کی تعریف:

عصبہ وہ شخص ہے جو ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد کل مال لینے کا حق رکھتا ہے۔

(ب) اصحاب فرائض کتنے اور کون کون سے افراد ہیں؟ نیز باپ کے احوال وراثت تحریر کریں؟

ب: اصحاب فرائض کی تعداد:

اصحاب فرائض کل بارہ (12) افراد ہیں جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔

ضرات:

۱- باپ، ۲- دادا، ۳- اخیافی بھائی، ۴- خاوند

تین:

۱- بیوی، ۲- بیٹی، ۳- پوتی، ۴- والدہ، ۵- دادی، ۶- اخوات شقیقہ، ۷- اخوات ابویہ، ۸- اخوات امیہ

باپ کے احوال وراثت:

باپ کے احوال وراثت تین ہیں:

۱- پہلی حالت فرض مطلق ہے یعنی محض سدس (1/6) اور اس کی ایک شرط ہے کہ میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو۔

۲- دوسری حالت سدس (1/6) اور تعصیب ہے، اس کی دو شرطیں ہیں:

(الف) یہ کہ میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو۔

(ب) یہ کہ میت کا بیٹا یا پوتا موجود نہ ہو۔

۳- تیسری حالت صرف تعصیب ہے۔ اس کی دو شرطیں ہیں:

(الف) یہ کہ میت کی اولاد موجود نہ ہو۔

(ب) یہ کہ میت کے بیٹے کی اولاد موجود نہ ہو۔

سوال نمبر 2: (الف) صلبی بیٹیوں کے کل کتنے اور کون سے احوال ہیں ہر حالت کے مطابق ان کا حصۂ وراثت بیان کریں؟

جواب: صلبی بیٹیوں کے احوال وراثت:

صلبی بیٹیوں کے کل تین احوال ہیں:

۱- نصف (½)، ۲- ثلثان (2/3)، ۳- عصبہ بالغیر

۱- پہلی حالت نصف (½) ہے اس کی دو شرطیں ہیں:

(الف) یہ کہ میت کا بیٹا موجود نہ ہو۔

(ب) یہ کہ میت کی صرف ایک بیٹی موجود ہو۔

۲- دوسری حالت ثلثان (2/3) ہے اس کی دو شرطیں ہیں:

(الف) یہ کہ میت کا بیٹا موجود نہ ہو۔

(ب) یہ کہ میت کی متعدد بیٹیاں ہوں۔

۳- تیسری حالت عصبہ بالغیر ہونا ہے، اس کی ایک شرط ہے جو یہ ہے:
کہ میت کا بیٹا بھی ہو۔

(ب) عصبہ بنفسہ اور عصبہ مع غیرہ میں سے ہر ایک کی تعریف اور افراد قلمبند کریں؟

جواب: عصبہ بنفسہ کی تعریف وافراد:

اس مرد کو کہتے ہیں کہ جب اسے میت کی طرف منسوب کیا جائے تو درمیان میں مؤنث کا واسطہ نہ ہو

ے بیٹا، باپ وغیرہ۔

صبہ مع غیرہ کی تعریف وافراد:

اس عورت کو کہتے ہیں جو ذوی الفروض میں سے ہو اور اسے کسی عورت نے عصبہ بنادیا ہو جیسے بیٹی کی جودگی میں سگی بہن یا علاتی بہن عصبہ بن جاتی ہیں۔

سوال نمبر3: (الف) **الحجب علی نوعین حجب نقصان...... وحجب حرمان**
حجب نقصان اور حجب حرمان میں سے ہر ایک کی تعریف کریں اور حجب نقصان کے افراد بیان ریں؟

واب: حجب حرمان کی تعریف:

حجب حرمان کا مطلب یہ ہے کہ ایک وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے اپنے مقررہ حصے سے مکمل ور پر دستبردار ہو جانا۔

ب نقصان کی تعریف:

حجب نقصان کا یہ مطلب ہے کہ ایک وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے حصہ کم ہو جانا۔

ب نقصان کے افراد:

حجب حرمان کے افراد چار ہیں:

۱- خاوند، ۲- بیوی، ۳- والدہ، ۴- پوتی

(ب) **اعلم ان الفروض المذکورة فی کتاب الله تعالٰی نوعان الاول النصف الربع والثمن والثانی الثلثان والثلث والسدس علی التضعیف والتنصیف**

عبارت کا ترجمہ کر کے بتائیں کہ مذکورہ فروض کا مخرج جدا جدا ہونے یا ایک دوسرے سے ملنے کی ورت میں کیا بنے گا؟

واب: ترجمہ عبارت:

یہ بات جان لو کہ ''قرآن مجید میں چھ معین حصوں کا ذکر کیا گیا ہے: ۱- نصف (½)، ۲- ربع (¼)، ۳- ثمن (1/8) ان تین معین حصوں کو ''نوع اول'' کہتے ہیں۔ ۴- ثلثان (2/3)، ۵- ثلث (1/3)، سدس (1/6) ان تین معین حصوں کو ''نوع ثانی'' کہتے ہیں۔

خارج کی وضاحت:

میت کے تمام ورثاء کے حصے اگر ''نوع اول'' ہی سے ہوں تو سب سے کم حصہ کے مخرج سے مسئلہ

بنے گا مثلاً (½) اور (¼) جمع ہو جائیں تو مسئلہ ¼ کے مخرج 4 سے بنے گا۔

اگر ¼ اور اور 1/8 جمع ہو جائیں تو مسئلہ 8 سے بنے گا۔

اس طرح میت کے تمام ورثاء کے حصے ''نوع ثانی'' سے ہی ہوں تو پھر بھی مسئلہ ان حصوں میں سے اقل (چھوٹے) حصے کے مخرج سے بنے گا۔ مثلاً 1/6 کے ساتھ 2/3 ہو یا 1/3 ہو تو بہر دو صورت مسئلہ 6 سے بنے گا۔

حصے داروں کے حصے اگر دونوں انواع میں سے آجائیں تو پھر مسئلہ کی تخریج اس طرح ہوگی:

۱- اگر نوع اول میں سے (½) اور نوع ثانی میں سے کوئی ایک ہو یا تمام ہی ہوں تو مسئلہ 6 سے بنے گا۔

۲- اگر نوع اول سے (¼) ہو اور نوع ثانی میں سے کوئی ایک ہو یا تمام ہی ہوں مسئلہ 12 سے بنے گا۔

۳- اگر نوع اول سے (1/8) ہو اور نوع ثانی میں سے کوئی ایک یا تمام ہی ہوں تو مسئلہ 24 سے بنے گا۔

سوال نمبر 4: والثانی ان انكسر على طائفة واحدة ولكن بين سهامهم ورؤسهم موافقة فيضرب وفق عدد رؤس من انكسرت عليهم السهام في اصل المسئلة وعولها ان كانت عائلة كابوين وعشر بنات

(الف) تصحیح کے مذکورہ اصول کا ترجمہ وتشریح کریں اور عبارت میں مذکور مثال کو حل کریں؟

جواب: ترجمہ وتشریح:

اگر کسی مسئلہ میں فقط ایک فریق پر کسر واقع ہو اور باقی دوسرے فریقوں کے حصے میں کسر واقع نہ ہو تو پھر جس فریق پر کسر واقع ہوئی ہے اس فریق کے رؤوس کو اس کے سہام کے ساتھ نسبت دے کر دیکھیں گے کہ آیا ان میں توافق وتداخل کی نسبت ہے یا تباین کی، اگر توافق وتداخل کی نسبت ہو تو پھر رؤوس کے وفق کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں یا عول میں ضرب دیں تو حاصل ضرب تصحیح مسئلہ ہوگا۔ پھر وفق رؤوس کو ہر حصہ دار کے حصے سے ضرب دیں تو ہر حصہ دار کا حصہ بھی معلوم ہو جائے گا جیسے والد، والدہ، دس بیٹیاں۔

میـــــت مسئلہ 6 تصحیح 30

عصبہ+والد	والدہ	10 بیٹیاں
1/6	1/6	2/3
1	1	4
5	5	20

(ب) تماثل، تداخل، توافق اور تباین میں سے ہر ایک کی تعریف کریں؟

جواب: تماثل کی تعریف:

جو دو عدد باہم برابر ہوں ایسے دو عددوں میں تماثل کی نسبت ہوگی اور ان دو عددوں میں سے ہر ایک کو متماثل کہیں گے جیسے 5 اور 5 وغیرہ۔

تداخل کی تعریف:

جو دو عدد چھوٹے بڑے ہوں اور ان میں سے بڑا عدد چھوٹے عدد پر پورا پورا تقسیم ہو جائے تو دو عددوں کے درمیان تداخل کی نسبت ہوگی اور ان دو عددوں میں سے ہر ایک کو متداخل کہیں گے جیسے 4 اور 8 وغیرہ۔

توافق کی تعریف:

جو دو عدد چھوٹے بڑے ہوں اور ان میں سے بڑا عدد چھوٹے عدد پر پورا پورا تقسیم نہ ہو بلکہ ان دو عددوں کے علاوہ کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو پورا پورا تقسیم کر دے تو ان دو عددوں میں توافق کی نسبت ہوگی اور ان دو عددوں میں سے ہر ایک کو متوافق کہیں گے جیسے 6 اور 9 وغیرہ۔

تباین کی تعریف:

جو دو عدد چھوٹے بڑے ہوں، ان میں سے بڑا عدد پورا پورا تقسیم بھی نہ ہو رہا ہو اور کوئی ایسا تیسرا عدد بھی موجود نہ ہو جو ان دو عددوں کو پورا پورا تقسیم کر سکے تو ان دو عددوں کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی اور ان دو عددوں میں سے ہر ایک کو متباین کہیں گے جیسے 3 اور 5 وغیرہ۔

سوال نمبر 5: درج ذیل میں سے کوئی پانچ مسائل حل کریں:

(الف) میت ____________

بنت ، ابن ، اخ ، اخت

(ب) میت ____________

اب ، ابن

(ج) میت ____________

بنتان ، عم

(د) میت ____________

اب ، ام ، عشر بنات

(ہ) میت ____

زوجہ ، اب ، ام

(و) میت ____

ست بنات ، جدۃ لاب ، ثلاثۃ اعمام

جواب: (الف) میت ____ مسئلہ 6

بنت	ابن	اخ	اخت
	عصبہ		
1	4	1	-

(ب) میت ____ مسئلہ 6

ابن	اب
عصبہ	1/6
5	1

(ج) میت ____ مسئلہ 6

بنتان	عم
2/3	عصبہ
4	2

(د) میت ____ مسئلہ 6 تصحیح 30

اب	ام	5 عشر بنات
1/6+عصبہ	1/6	2/3
1	1	4
5	5	20

(ہ) میت ____ مسئلہ 4

زوجہ	اب	ام
¼	عصبہ	1/3 مابقی
1	2	1

(و) میت ____ مسئلہ 6 تصحیح 18

ست بنات	جدۃ لاب	ثلاثۃ اعمام
2/3	1/6	عصبہ
4	1	1
12	3	3

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الاختبار السنوی النهائی تحت اشراف تنظیم المدارس (اهل السنة) پاکستان

الشهادة العالمية فى العلوم العربية و الاسلامية

"السنة الأولٰی" للطلاب الموافق سنة ۱۴۴۰ھ/ 2019ء

الورقة الثالثة: الفقه و أصوله

الوقت المحدد: ثلث ساعات — مجموع الأرقام: ۱۰۰

نوٹ: دونوں قسموں سے کوئی دو، دو سوال حل کریں۔

﴿قسم اوّل ...... فقہ﴾

سوال نمبر 1: الشفعة واجبة فی العقار وان کان مما لا یقسم، ولا شفعة فی العروض والسفن لقوله علیه الصلوة والسلام "لاشفعة الا فی ربع أو حائط."

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ لکھیں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) مذکورہ مسئلہ کو اس طرح بیان کریں کہ اس میں احناف اور شوافع کا مؤقف دلائل کے ساتھ واضح ہو جائے؟ ۱۵

سوال نمبر 2: والذبح بین الحلق واللبة وفی الجامع الصغیر لاباس بالذبح فی الحلق کله وسطه واعلاه واسفله والاصل فیه قوله علیه السلام: الذکاة مابین اللبة واللحیین.

(الف) مذکورہ عبارت کا ترجمہ کر کے ہدایہ کی روشنی میں ذکر کردہ مسئلہ کی عقلی دلیل بیان کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) کتنی اور کون کون سی رگیں کاٹی جائیں گی تو جانور حلال ہوگا ورنہ نہیں؟ اختلاف ائمہ مفصلاً بیان کریں۔ ۱۵

سوال نمبر 3: ویکره ان یقول الرجل فی دعائه بحق فلان او بحق انبیائك ورسلك لانه لاحق للمخلوق علی الخالق

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور مسئلہ کی وضاحت اس طرح کریں کہ اہل سنت کا مؤقف واضح ہو جائے؟ ۵+۵=۱۰

(ب) (ویکره اللعب بالشطرنج والنرد والاربعة عشر وکل لهو) مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کریں، نیز ہاکی و کرکٹ کا حکم لکھیں؟ ۱۵

﴿قسم ثانی ...... اصول فقہ﴾

سوال نمبر 4: العلم بکل الاحکام الشرعیة العملیة التی قد ظهر نزول الوحی بها والتی انعقد الاجماع علیها من ادلتها مع ملکة الاستنباط الصحیح منها

(الف) درج بالا عبارت کا ترجمہ و تشریح قلمبند کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) کیا فقیہ کے لیے قیاس کا جاننا ضروری ہے؟ اور کیوں؟ نیز فقہ ظنی امر ہے تو اس پر علم کا اطلاق کیسے درست ہوگا؟ ۸+۷=۱۵

سوال نمبر 5: واما المستنبط من السنة فکقیاس حرمة قفیز من الجص بقفیزین علی حرمة قفیز من الحنطة بقفیزین منها الثابتة بقوله علیه السلام: الحنطة بالحنطة مثلا بمثل یدا بید والفضل ربوا

(الف) اعراب لگا کر سلیس اردو میں ترجمہ تحریر کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کریں، نیز اجماع پر قیاس کر کے استنباط کیے گئے مسئلہ کی کوئی ایک مثال دیں۔ ۷+۸=۱۵

سوال نمبر 6: ان المشهور ان الشیء الواحد لایکون موضوعا للعلمین اقول هذا غیر ممتنع بل واقع فان الشیء الواحد یکون له اعراض ففی کل علم یبحث عن بعض منها

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور تلویح کی روشنی میں عبارت کی وضاحت کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) اصول فقہ کا موضوع سپرد قلم کریں، نیز ادلہ شرعیہ کی تعداد بیان کر کے قرآن کی تعریف کریں؟ ۵+۵+۵=۱۵

☆☆☆☆☆☆☆☆

درجہ عالمیہ (برائے طلباء) سال اول 2019ء

تیسرا پرچہ: فقہ و اصول فقہ

﴿قسم اوّل ...... فقہ﴾

سوال نمبر 1: اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعِقَارِ وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ، وَلَا شُفْعَةَ فِي الْعُرُوْضِ وَالسُّفُنِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: "لَا شُفْعَةَ اِلَّا فِيْ رُبْعٍ اَوْ حَائِطٍ."

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ لکھیں؟

(ب) مذکورہ مسئلہ کو اس طرح بیان کریں کہ اس میں احناف اور شوافع کا مؤقف دلائل کے ساتھ واضح ہوجائے؟

جواب: (الف) عبارت پر اعراب اور اس کا ترجمہ:

نوٹ: اعراب اوپر لگا دیے گئے ہیں اور ترجمہ درج ذیل ہے:

شفعہ غیر منقول چیز (زمین، مکان، دکان وغیرہ) میں ثابت ہے خواہ وہ تقسیم کے قابل نہ ہو۔ سامانوں اور کشتیوں میں شفعہ نہیں ہے، کیونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: شفعہ فقط مکان اور دیوار میں ہے۔

(ب) مسئلہ عبارت کی وضاحت:

احناف کے ہاں مقسوم وغیر مقسوم اور ہر قسم کی زمین میں شفعہ ثابت ہے، اس سلسلہ میں دلیل یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: الشفعة فی کل شیء عقار او ربع یعنی ہر غیر منقولہ چیز یا مکان میں شفعہ ثابت ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ جو چیز قابل تقسیم نہ ہو، اس میں شفعہ نہیں ہے۔ اس بارے میں وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ شفعہ بٹوارے کی مشقت دور کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے، جو چیز بٹوارے کے قابل نہ ہو اس میں مشقت تقسیم بھی نہیں ہے اور جب یہ علت نہ پائی گئی تو اس میں شفعہ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ احناف کی دلیل نقلی ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل عقلی ہے، نقلی دلیل کے مقابل عقلی دلیل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

سوال نمبر 2: **والذبح بین الحلق واللبة وفی الجامع الصغیر لاباس بالذبح فی الحلق کله وسطه واعلاه واسفله والاصل فیه قوله علیه السلام: الذکاة مابین اللبة واللحیتین.**

(الف) مذکورہ عبارت کا ترجمہ کر کے ہدایہ کی روشنی میں ذکر کردہ مسئلہ کی عقلی دلیل بیان کریں؟

(ب) کتنی اور کون کون سی رگیں کاٹی جائیں گی تو جانور حلال ہوگا ورنہ نہیں؟ اختلاف ائمہ مفصلاً بیان کریں۔

جواب: (الف) ترجمہ عبارت:

ذبح سینے اور حلق کے درمیان ہوتا ہے، جامع صغیر میں ہے کہ پورا حلق ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی درمیان میں، اوپر والے حصہ میں اور نیچے والے حصہ میں۔ اس بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: سینہ اور دو جبڑوں کے درمیان ذبح ہے۔

مسئلہ پر ہدایہ کی روشنی میں عقلی دلیل:

حلق میں ذبح کرنے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ حلق کھانے پینے کی نالیوں اور بدن کی رگوں کا سنگم ہے اور وہاں ذبح کرنے سے کامل طور پر اسالت دم متحقق ہو جائے گا اور ذبح میں اسالت دم ہی مقصود ہوتا ہے، اس لیے حلق کے علاوہ کسی اور جگہ کا ذبح معتبر نہیں ہوگا۔ تاہم حلق کے حصے کا حکم یکساں ہے کہیں بھی ذبح کرو مقصد حاصل ہو جائے گا۔

(ب) ذبح کے حلال ہونے میں کاٹی جانے والی رگوں میں مذاہب آئمہ:

حلقوم سانس کی نالی کو کہتے ہیں، مری وہ نالی ہے جس میں دانہ پانی گزر کر پیٹ میں داخل ہوتا ہے جسے زخرہ بھی کہا جاتا ہے۔ ودجان یہ ودج کا تثنیہ ہے، گردن کی رگوں کو ودج کہتے ہیں۔ ذبح میں ان چار رگوں کا کاٹنا ضروری ہے، اس پر دلیل ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ آپ نے اوداج کو کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اوداج، ودج کی جمع ہے اور جمع کی اقل مقدار تین ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ذبح میں فقط حلقوم اور مری رگ کاٹنے کو کافی سمجھتے ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ ذبح میں چاروں رگوں کا کاٹنا ضروری ہے ورنہ ذبح جائز نہیں ہوگا۔ انہوں نے بھی اس ارشاد نبوی سے استدلال کیا ہے کہ اوداج رگیں کاٹی جائیں۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ حلقوم اور مری رگ کا کاٹنا ضروری اور ودجین میں سے کوئی ایک بھی کاٹی جا سکتی ہے۔

سوال نمبر 3: **ویکره ان یقول الرجل فی دعائه بحق فلان او بحق انبیائك ورسلك لانه لاحق للمخلوق علی الخالق**

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور مسئلہ کی وضاحت اس طرح کریں کہ اہل سنت کا مؤقف واضح ہو جائے؟

(ب) (**ویکره اللعب بالشطرنج والنرد والاربعة عشر وکل لهو**) مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کریں، نیز ہاکی و کرکٹ کا حکم لکھیں؟

جواب: (الف) ترجمہ عبارت:

اپنی دعاء میں یوں کہنا مکروہ ہے: **بحق فلان یا بحق انبیائك ورسلك** (اے اللہ تو میری دعاء کو فلاں کے وسیلہ سے یا اپنے نبیوں اور رسولوں کے وسیلہ سے قبول کر) اس لیے کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے؟

مسئلہ کی وضاحت:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کسی بزرگ ہستی کے حق کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ذات باری تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے، اگر وہ عنایت کردے تو اس کا فضل ہے اور اگر گرفت کرے تو یقیناً اس کا عدل ہوگا۔ تاہم کسی نبی یا رسول یا ولی کے وسیلہ سے دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ زود قابل قبول ہوتی ہے۔

(ب) شطرنج وغیرہ کھیلنے کا شرعی حکم:

ہمارے ہاں شطرنج، نرد اور چودہ گوٹی کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ یہ مکروہ ہیں، کیونکہ ان کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں:

۱- اگر ان سے جوا کھیلا جائے، یہ نص قرآنی سے حرام ہے: انما الخمر الخ اور یسئلونک عن الخمر والمیسر سے۔

۲- اگر جوا نہ کھیلا جائے تو اس صورت میں عبث وغیر نافع ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین کے علاوہ ہر قسم کے کھیل سے منع کیا گیا ہے۔

احناف کے ہاں شطرنج وغیرہ کھیلنا بھی کراہت سے خالی نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھیل کو خنزیر کے خون میں ہاتھ رنگنے کے برابر قرار دیا ہے۔

ہاکی اور کرکٹ کھیلنے کا حکم:

وقت ایسی قیمتی دولت ہے جو ضائع ہونے کے بعد واپس نہیں آسکتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں لہو ولعب سے منع کیا گیا ہے۔ جو بھی کھیل جوا لگا کر کھیلا جائے، وہ حرام ہے، کیونکہ یہ چیز نفرت اور فساد کا باعث بنتی ہے۔ ہاکی اور کرکٹ ہمارے ہاں قومی کھیل تصور کیے جاتے ہیں، اگر ان میں بھی جوا ہو تو یہ بھی حرام ہوں گے۔ تاہم ان کھیلوں میں جوا نہ ہو اور نہ نمازیں ضائع ہوں تو جائز ہیں۔ اگر ان دونوں عیوب میں سے ایک بھی پایا جائے تو جواز کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

﴿قسم ثانی ...... اصول فقہ﴾

سوال نمبر 4: العلم بکل الاحکام الشرعیة العملیة التی قد ظهر نزول الوحی بها والتی انعقد الاجماع علیها من ادلتها مع ملکة الاستنباط الصحیح منها

(الف) درج بالا عبارت کا ترجمہ وتشریح قلمبند کریں؟

(ب) کیا فقیہ کے لیے قیاس کا جاننا ضروری ہے؟ اور کیوں؟ نیز فقہ ظنی امر ہے تو اس پر علم کا اطلاق

یسے درست ہوگا؟

واب: (الف) ترجمہ عبارت:

(فقہ کے لیے) تمام احکام شرعیہ عملیہ کا جاننا ضروری ہے جو نزول وحی کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان
اجاننا بھی ضروری ہے جن پر اجماع منعقد ہو چکا ہے ایسی ادا کے ساتھ جو ملکہ ہے صحیح احکام استنباط کرنے
۔

یح عبارت:

یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اس پر علم کا اطلاق کیسے درست ہوسکتا ہے جبکہ فقہ ایک ظنی چیز ہے؟ اس کا
اب یوں دیا جاتا ہے کہ فقہ ظنی نہیں بلکہ قطعی ہے جو نزول وحی کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں علم کا
لاق جس طرح ظنیات پر ہوتا ہے، اسی طرح قطعیات پر بھی ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

ب) فقیہ کا قیاس کو جاننا:

فقیہ وہ ہوتا ہے جس کی ہر ہر آیت، ہر ہر حدیث پر گہری نظر ہوتی ہے اور قیاسی دلائل کا ذخیرہ بھی اس
ہن میں محفوظ ہوتا ہے۔ دریافت طلب یہ بات ہے کہ فقہ ظنی شیء ہے تو اس پر علم کا اطلاق کیسے درست
کتا ہے؟ اس اہم سوال کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱- یہ ہے کہ مصنف نے جس فقہ کی بات کی ہے وہ ظنی نہیں، قطعی ہے، اس لیے کہ مصنف نے فرمایا
فقہ وہ ہے جس پر نزول وحی کا ظہور ہو اور یہ تمام چیزیں قطعی ہیں۔

۲- یہ کہہ دیا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ ظنی ہے، لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ ظنیات پر علم کا اطلاق نہیں
، کیونکہ ظنیات پر بھی علم کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے علم طب۔ یہ علم طب ایک ظنی شیء ہے، اس کے باوجود
پر "علم" کا اطلاق کیا گیا ہے۔

**سوال نمبر 5: واما المستنبط من السنة فکقیاس حرمة قفیز من الجص بقفیزین علی
مة قفیز من الحنطة بقفیزین منها الثابتة بقوله علیه السلام الحنطة بالحنطة مثلا
ل یدا بید والفضل ربوا**

(الف) اعراب لگا کر سلیس اردو میں ترجمہ تحریر کریں؟

(ب) مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کریں، نیز اجماع پر قیاس کر کے استنباط کیے گئے مسئلہ کی کوئی ایک
ل دیں؟

ب: (الف) عبارت پر اعراب اور ترجمہ:

اور سنت سے ثابت شدہ حکم مثلاً چونے کی ایک بوری کا حرام ہونا دو بوریوں پر قیاس ہے جس طرح

ایک بوری گندم کو دو بوری پر قیاس کرنا ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گندم بدلے گندم کے برابر برابر، ہاتھوں ہاتھ (نقد) اور زیادتی سود ہے۔

(ب) اجماع سے ثابت شدہ حکم پر قیاس:

اس سلسلہ میں ایک جامع مثال یہ ہے کہ مزینہ کی ماں سے نکاح کی حرمت کو قیاس کیا گیا ہے لونڈی کی ماں سے نکاح کی حرمت پر جو اجماع امت سے ثابت ہے، اس میں نص موجود نہیں ہے۔ تاہم ازواج کی امہات سے نکاح کرنے کی حرمت نص سے ثابت ہے، اور اس میں زوجہ سے وطی کرنے یا نہ کرنے کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی۔

سوال نمبر6: **ان المشهور ان الشیء الواحد لایکون موضوعا للعلمین اقول هذا غیر ممتنع بل واقع فان الشیء الواحد یکون له اعراض ففی کل علم یبحث عن بعض منها**

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور تلویح کی روشنی میں عبارت کی وضاحت کریں؟

(ب) اصول فقہ کا موضوع سپرد قلم کریں، نیز ادلہ شرعیہ کی تعداد بیان کر کے قرآن کی تعریف کریں؟

جواب: (الف) ترجمہ عبارت:

بیشک یہ بات مشہور ہے کہ ایک چیز دو علموں کا موضوع نہیں بن سکتی، میں کہتا ہوں کہ یہ منع نہیں ہے بلکہ واقع کے مطابق ہے۔ ایک چیز کے مختلف اعراض ہوتے ہیں اور ہر علم میں اس کے بعض عوارض سے بحث کی جاتی ہے۔

عبارت کی وضاحت:

ماتن کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح قوم میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک چیز دو علموں کا موضوع نہیں بن سکتی، یہ درست نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ شیء واحد کا دو علموں کے لیے موضوع ہونا ممکن اور جائز ہے بلکہ اس طرح ہو چکا ہے کہ شیء واحد دو چیزوں کا موضوع بن چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک ی ء کے مختلف اعراض ذاتیہ ہوں، پس علم میں ان اعراض کی ایک نوع سے بحث ہو اور دوسرے میں نوع خر سے بحث ہو۔

ب) اصول فقہ کا موضوع:

اصول فقہ کا موضوع "احکام شرعیہ اور ادلہ اربعہ" ہے۔

ادلہ شرعیہ کی تعداد اور قرآن کی تعریف:

ادلہ شرعیہ چار ہیں:

(۱) کتاب اللہ، (۲) سنت رسول اللہ، (۳) اجماع امت، (۴) قیاس

کتاب اللہ (قرآن) کی تعریف بایں الفاظ کی جاتی ہے:

القرآن هو کلام الله المنزل علی محمد صلی الله علیه وسلم المتعبد بتلاوته

یعنی قرآن کلام خداوندی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا اور اس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الاختبار السنوی النهائی تحت اشراف تنظیم المدارس (اهل السنة) باكستان

الشهادة العالمية فی العلوم العربية والاسلامية

''السنة الأولىٰ'' للطلاب الموافق سنة ۱۴۴۰ھ/ 2019ء

الورقة الرابعة: لأصول الحديث والتحقيق

الوقت المحدد: ثلث ساعات　　مجموع الأرقام:۱۰۰

نوٹ: دونوں قسموں سے کوئی دو، دو سوال حل کریں۔

﴿قسم اوّل......اصول حدیث﴾

سوال نمبر 1: العزيز وهو ان لا يرويه اقل من اثنين عن اثنين

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر اس کا ترجمہ کریں اور عزیز کی وجہ تسمیہ بیان کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) ''حدیث عزیز'' کی کوئی ایک مثال دیں، نیز بتائیں کہ صحیح کے لیے عزیز ہونا شرط ہے یا نہیں؟ شرح نخبہ کی روشنی میں اہل فن کا اختلاف تفصیلاً لکھیں؟ ۵+۱۰=۱۵

سوال نمبر 2: الغرابة اما ان تكون فی اصل السند اولا فالاول الفرد المطلق والثانی الفرد النسبی

(الف) ترجمہ کریں اور فرد نسبی کی وجہ تسمیہ تحریر کریں؟ ۴+۶=۱۰

(ب) غریب اور فرد میں کون سی نسبت ہے؟ مفصلاً جواب دیں، نیز حدیث ''صحیح لذاتہ'' کی تعریف تحریر کریں؟ ۸+۷=۱۵

سوال نمبر 3: (الف) دو متعارض حدیثیں صحت میں برابر ہوں تو عمل کا کیا طریقہ ہوگا؟ شرح نخبہ کی روشنی میں تفصیل بیان کریں۔ ۱۰

(ب) مرسل کی تعریف کر کے اس کے قبول وعدم قبول کے بارے میں ائمہ کا مؤقف تفصیلاً قلمبند کریں؟ ۵+۱۰=۱۵

﴿قسم ثانی......اصول تحقیق﴾

سوال نمبر 4: (الف) نظریاتی تحقیق اور اطلاقی تحقیق کے مقاصد بیان کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) منہج کے اعتبار سے تحقیق کی کوئی سی تین اقسام کی وضاحت کریں؟ ۳×۵=۱۵

سوال نمبر 5: (الف) علمی تحقیق کے بنیادی عناصر میں سے جدت تحقیق اور امکانات تحقیق کی

وضاحت کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) ''نگرانِ تحقیق'' پر ایک مختصر مگر جامع نوٹ لکھیں؟ ۱۵

سوال نمبر 6: (الف) خاکہ تحقیق (Synopsis) کے عناصر پر قلم کریں؟ ۱۰

(ب) کسی بھی علمی تحقیق کے لیے کتنے اور کون کون سے مراحل طے کرنا پڑتے ہیں؟ کسی ایک مرحلہ کی وضاحت بھی کریں۔ ۱۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درجہ عالیہ (برائے طلباء) سال اوّل 2019ء

چوتھا پرچہ: اصول حدیث وتحقیق

﴿قسم اوّل......اصول حدیث﴾

سوال نمبر 1: اَلْعَزِيْزُ وَهُوَ اَنْ لَّا يَرْوِيَهٗ اَقَلُّ مِنِ اثْنَيْنِ عَنِ اثْنَيْنِ

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر اس کا ترجمہ کریں اور عزیز کی وجہ تسمیہ بیان کریں؟

(ب) ''حدیث عزیز'' کی کوئی ایک مثال دیں، نیز بتائیں کہ صحیح کے لیے عزیز ہونا شرط ہے یا نہیں؟ شرح نخبہ کی روشنی میں اہل فن کا اختلاف تفصیلاً لکھیں۔

جواب: (الف) عبارت پر اعراب اور اس کا ترجمہ:

نوٹ: اعراب اوپر عبارت پر لگا دیے گئے ہیں اور ترجمہ درج ذیل ہے:

''خبر عزیز'' وہ ہے جسے کم از کم دو راوی دو راویوں سے روایت کریں۔

''خبر عزیز'' کی وجہ تسمیہ:

لفظ ''عزیز'' کا معنیٰ ہے: نادر، کمیاب۔ چونکہ عزیز میں دو راوی دو راویوں سے روایت بیان کرتے ہیں، اس قسم کی روایات کم پائی جاتی ہیں، اس لیے ان کو عزیز الوجود ہونے کی وجہ سے ''عزیز'' کہتے ہیں۔

صحیح تو یہ ہے کہ راوی دو ہوں خواہ وہ دو صحابہ ہوں یا ایک صحابی ہو۔ تاہم وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ نادر الوجود ہے اس لحاظ سے راوی بھی دو ہوں۔ اس کی مثال بھی ملتی ہے کہ شیخین نے اتفاقی طور پر حضرت انس سے اور بخاری نے انفرادی طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يومن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين".

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے دو راوی ہیں:

(۱) قتادہ بن دعامہ، (۲) عبدالعزیز بن صہیب، قتادہ سے روایت کرنے والے بھی دو راوی ہیں: شعبہ اور سعید اور عبدالعزیز سے روایت کرنے والے بھی دو راوی ہیں: اسماعیل بن علیہ اور عبدالوارث۔ اگر حدیث صحیح کے دو راوی ہوں تو اسے "خبر عزیز" کہتے ہیں۔

خبر عزیز کا حکم اور صحیح کے لیے عزیز ہونا شرط نہ ہونا:

خبر عزیز کا حکم یہ ہے کہ اس کی سند اور متن میں غور وفکر کیا جائے گا، اگر اس میں صحت کی تمام شرائط پائی جائیں تو وہ حدیث صحیح ہوگی اور عزیز حدیث حسن اور ضعیف بھی ہوتی ہے۔ حدیث صحیح کے لیے عزیز ہونا ہرگز شرط نہیں ہے بلکہ صحیح حدیث کبھی غریب بھی ہوتی ہے جیسا کہ روایت ہے: "انما الاعمال بالنیات" غریب ہونے کے باوجود صحیح ہے۔

سوال نمبر2: الغرابة اما ان تكون فی اصل السند اولا فالاول الفرد المطلق والثانی الفرد النسبی

(الف) ترجمہ کریں اور فردِ نسبی کی وجہ تسمیہ تحریر کریں؟

(ب) غریب اور فرد میں کون سی نسبت ہے؟ مفصلاً جواب دیں، نیز حدیث "صحیح لذاتہ" کی تعریف تحریر کریں؟

جواب: (الف) ترجمہ عبارت:

غرابت اصل سند میں ہوگی یا نہیں، تو پہلی قسم فرد مطلق اور دوسری فرد نسبی ہے۔

فرد نسبی اور اس کی وجہ تسمیہ:

جب سند کے درمیان تفرد ہو، جس طرح صحابی سے راوی تو ایک سے زائد ہوں مگر بعد میں ایک راوی ہو اور اس سے روایت کرنے والا بھی ایک ہو، تو وہ فرد نسبی ہے۔ اس کا نام فرد نسبی اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں تفرد ایک فرد معین کے لحاظ سے پایا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات وہ لوگوں میں مشہور ہوتی ہے لیکن راوی کے متفرد ہونے کی وجہ سے "فرد نسبی" کہلاتی ہے۔

(ب) غریب اور فرد میں نسبت:

بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ فرد اور غریب دونوں لفظ مترادف ہیں۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے فرد مطلق کہیں یا غریب مطلق کہیں، اس طرح فرد نسبی کہیں یا غریب نسبی کہیں، ایک ہی مطلب ہے۔ اس طرح ان دونوں کے مابین تساوی کی نسبت ہے۔ بعض حضرات دونوں میں فرق بیان کرتے ہیں باعتبار کثیر الاستعمال ہونے اور قلیل الاستعمال ہونے کے، کہ فرد اکثر طور پر اطلاق فرد مطلق پر ہے اور غریب کا اکثر طور

استعمال فرد نسبی پر ہے۔ اس طرح دونوں کے مابین تغائر یا تباین کی نسبت ہے۔

حیح "حدیث لذاتہ" کی تعریف:

وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو۔

سوال نمبر3: (الف) دو متعارض حدیثیں صحت میں برابر ہوں تو عمل کا کیا طریقہ ہوگا؟ شرح نخبہ کی روشنی میں تفصیل بیان کریں۔

(ب) مرسل کی تعریف کر کے اس کے قبول وعدم قبول کے بارے میں ائمہ کا موقف تفصیلاً قلمبند کریں؟

جواب: (الف) دو متعارض حدیثوں پر عمل کی صورت:

اگر دو متعارض حدیثیں ہوں تو دیکھا جائے گا کہ ان کی تاریخ کا علم ہے یا نہیں، پہلی صورت میں آخر ثابت ہوگی اول ثابت نہیں ہوگی۔ دونوں روایتوں میں ایک کا ناسخ ہونا اور دوسری کا منسوخ ہونا سمجھا جائے تو عمل ناسخ پر ہوگا جبکہ منسوخ روایت متروک ہوگی۔

نسخ کی پہچان کے چند مشہور طریقے حسب ذیل ہیں:

۱- جب نص میں صراحتاً الفاظ ایسے ہوں جو نسخ پر دلالت کریں مثلاً حدیث بریدہ:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فانها تذكر الأخرة"

۲- جب صحابی کو جزم حاصل ہو کہ یہ قول آخری ہے جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"اخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما مست النار"

۳- تاریخ کے اعتبار سے معلوم ہو جائے کہ فلاں روایت پہلی ہے اور فلاں روایت بعد کی ہے۔

اگر دونوں روایات میں وجہ ترجیح پائے جانے کا امکان ہو تو بہتر ہے ورنہ وہ دونوں متعارض رہیں گی، ان کے تعارض کو اٹھانے کی کوئی اور وجہ تلاش کرنی پڑے گی۔ اگر کوئی وجہ تعارض اٹھانے کی نظر نہ آئے تو دونوں روایات موقوف رہیں گی۔

(ب) حدیث مرسل کی تعریف:

مرسل: جس حدیث کی سند کے آخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے مثلاً تابعی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دے۔

حدیث مرسل کے حکم کے حوالے سے اقوال آئمہ:

حدیث مرسل، حدیث ضعیف کی اقسام میں شمار ہوتی ہے، اس میں حدیث مقبول کی شرط مفقود ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس پر عمل کے حوالہ سے آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱- حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ حدیث مرسل، حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے۔

۲- اکثر محدثین اور بعض اہل اصول کا مؤقف ہے کہ مرسل حدیث ضعیف ہے اور وہ قابل استدلال ہے۔

۳- حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مرسل حدیث کے حجت ہونے کے لیے چار شرائط کا ہونا ضروری ہے، وہ شرائط حسب ذیل ہیں:

(i) ارسال کرنے والا اکابر تابعین سے ہو۔

(ii) ارسال کرنے والا جس سے ارسال کرے وہ ثقہ ہو۔

(iii) ارسال کرنے والا حفاظ رواۃ کی مخالفت نہ کرتا ہو۔

(iv) مرسل حدیث کسی دوسری سند سے مسنداً یا مرسلاً مروی ہو۔

﴿قسم ثانی ...... اصول تحقیق﴾

سوال نمبر 4: (الف) نظریاتی تحقیق اور اطلاقی تحقیق کے مقاصد بیان کریں؟

(ب) منہج کے اعتبار سے تحقیق کی کوئی سی تین اقسام کی وضاحت کریں؟

جواب: (الف) نظریاتی تحقیق اور اطلاقی تحقیق کے مقاصد:

مقاصد کے اعتبار سے تحقیق کی دو قسمیں ہیں:

۱- نظریاتی تحقیق:

اس تحقیق کا مقصد علم برائے علم ہوتا ہے۔ اس کا کوئی اطلاقی ہدف نہیں ہوتا۔ نظریاتی تحقیق میں محقق صرف اور صرف کسی علمی حقیقت کے احاطہ اور اس تک رسائی کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے پیش نظر اس کے عملی فوائد و اطلاقات نہیں ہوتے۔

نظریاتی تحقیق عام طور پر علوم انسانیہ سے تعلق رکھنے والے موضوعات و افکار جیسے: لغت، نحو، ادب، تاریخ، جغرافیہ، معاشرت، منطق، فلسفہ اور دینی علوم میں کی جاتی [illegible] تحقیق سے محض کسی نظریہ پر مشتمل فوائد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کسی قسم کے تطبیقی و عملی فوائد [illegible] تحقیق کا موضوع نہیں ہوتے۔ کسی

شاعر، ادیب، حکمران، قائد، مبلغ یا فلسفی کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے عوامل کے متعلق تحقیق و مطالعہ ہمیں کوئی ادبی فائدہ یا تاریخی نظریہ عطا کرتا ہے۔ نظریاتی تحقیق کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کا دائرہ عمل بہت وسیع ہوتا ہے۔ یہ تیزی سے شاخ در شاخ تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے کیونکہ اس میں شخصی آراء و افکار دخل انداز ہوتے ہیں جیسے اس کی واضح مثال علم نفسیات اور علم عمرانیات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۲- اطلاقی تحقیق:

اطلاقی تحقیق کا مقصد نئی چیزوں کو دریافت کرنا اور سائنسی ایجادات کو آشکار کرنا۔ اس تحقیق کا دائرہ کار مادہ اور محسوس کی جانے والی اشیاء ہوتی ہیں، جیسے طبعیات، کیمیا اور فلکیات وغیرہ میں کی جانے والی تحقیقات۔

تحقیق کی اس قسم کا عام طور پر تجرباتی منہج پر انحصار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس تحقیق کے لیے حسی مشاہدات اور تجربہ گاہوں کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن یہ بات فراموش نہیں کی جا سکتی کہ محض لیبارٹری کا تجربہ سائنسی علم و معرفت کی تنہا بنیاد نہیں ہوتا، بلکہ ان سائنسی علوم کی کئی شاخوں میں محقق کو عقلی و تحلیلی اور استنباطی و حسابی طریقہ کار پر بھی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی مسئلہ کے حل کے وقت محض لیبارٹری اور تجربہ گاہوں پر اکتفا نہ کرے بلکہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہر حقیقت کے بارے میں تحقیق کرنے کا حسب حال ایک منہج و طریقہ ہوتا ہے، اور تجرباتی منہج کا دائرہ کار بہت محدود ہوتا ہے کیونکہ اطلاقی تحقیق کے مناہج بھی دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱- مناہج عامہ:

ایسے مناہج جو مادی اور غیر مادی دونوں طرح کے حقائق کے حصول کا ذریعہ بن سکتے ہیں، انہیں عقلی، منطقی اور استنباطی یا استقرائی، وصفی اور تحلیلی مناہج بھی کہا جاتا ہے۔

۲- مناہج خاصہ:

مناہج خاصہ کی بہت سی صورتیں اور اقسام ہیں جن میں سے ایک تجرباتی تحقیق کا منہج ہے جو صرف مادی حقائق کے مطالعہ کے لیے درست ہوتا ہے، اس خاص منہج کی دوسری اقسام پیمائشی منہج، احوال کا مطالعہ، تاریخی تحقیق کا منہج اور شماریاتی منہج وغیرہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تجرباتی منہج پر اکتفا کر کے نظریاتی اور استنباطی منہج سے روگردانی کرنا، کسی بھی طرح درست نہیں، کیونکہ انسان مادی ترقی میں خواہ کتنے ہی کمال کو کیوں نہ پہنچ جائے، وہ روحانیت سے روگردانی کر کے خوش نہیں رہ سکتا۔ آج اقدار کے لحاظ سے انحطاط پذیر مغربی معاشرے اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔

(ب) منہج کے اعتبار سے تحقیق کی اقسام:

منہج کے اعتبار سے تحقیق کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ درج ذیل ہے:

1- تقابلی تحقیق:

اس قسم کی تحقیق میں دو شخصیات یا دو ریاستوں، دو زمانوں، دو کتابوں، دو فلسفوں، دو طرح کے اسالیب یا ایک نوع کے دو امور کے درمیان موازنہ کیا جاتا ہے۔ اس موازنے کی دو جہتیں ہوتی ہیں، ایک جہت مشابہت اور دوسری جہت اختلاف۔ مگر محقق صرف مشابہت کے پہلو یا صرف اختلاف کے پہلو کو بھی موضوع تحقیق بنا سکتا ہے۔

2- وصفی یا بیانیہ تحقیق:

اس تحقیق میں کسی چیز کی حقیقت حال کو بیان کیا جاتا ہے مثلاً: کسی علاقے میں کسی سکول کی بلڈنگ کا وصف، معیشت کا معیار بیان کرنا، برآمدات اور درآمدات کی تفصیل بیان کرنا، آبادی کی تقسیم کی صورتِ حال، لسانی معیار کے متعلق معلومات پیش کرنا، اقتصادی صورت حال پر تبصرہ کرنا، عسکری و دفاعی حالت کا جائزہ لینا، زرعی پیداوار کا تعارف کروانا اور صنعتی پیداوار کا تجزیہ کرنا وغیرہ۔ وصفی یا بیانیہ تحقیق کو مکانی اور زمانی حدود و قیود کے ذریعے مقید کر دیا جاتا ہے۔ اسے بلا تحدید اور کھلا نہیں چھوڑا جاتا۔ مثلاً صرف ''لسانی و لغوی معیار'' کو موضوع تحقیق نہیں بنایا جاتا بلکہ کسی ملک کی تحدید کے ساتھ عنوان تحقیق بنایا جائے گا، اور یہ مکانی تحدید ہوگی۔ اور اگر کسی ملک کے کسی خاص سال یا متعین سالوں کے دوران لسانی و لغوی معیار کا جائزہ لیا جائے تو یہ زمانی تحدید ہوگی۔

3- تاریخی تحقیق:

اس تحقیق میں کسی حالت کا یا کسی متعین عرصے کا تاریخی جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ تحقیق تاریخی نقطۂ نظر سے کسی بھی موضوع کے بارے میں کی جا سکتی ہے مثلاً: زمانے کے ساتھ ساتھ لسانی ارتقاء، کسی ملک کی ایک خاص عرصے میں زراعت میں ترقی، تعلیم کا ارتقاء، جامعات کا ارتقاء، صنعت و حرفت کا ارتقاء وغیرہ۔

سوال نمبر 5: (الف) علمی تحقیق کے بنیادی عناصر میں سے جدت تحقیق اور امکانات تحقیق کی وضاحت کریں؟

(ب) ''نگران تحقیق'' پر ایک مختصر مگر جامع نوٹ لکھیں؟

جواب: (الف) علمی تحقیق کے بنیادی عناصر اور جدت تحقیق اور امکانات تحقیق کی وضاحت:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2018ء میں ملاحظہ کریں۔

(ب) ''نگران تحقیق'' پر جامع نوٹ:

طالب علم اور نگران تحقیق کے درمیان ادب اور پرخلوص رہنمائی کا رشتہ ہونا چاہیے۔ محقق طالب علم اپنے نگران کا دل و جان سے احترام کرے اور نگران استاد پورے خلوص سے اسے رہنمائی عطا کرے۔ نگران استاد کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ وہ طالب علم کو اس کی تحقیق کے مصادر و مراجع کے بارے میں رہنمائی کرے۔ نیز اسے چاہیے کہ ہمیشہ محقق طالب علم کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس کا تحقیق کام خواہ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہو کبھی اس کی حوصلہ شکنی نہ کرے۔ اپنی ذاتی آراء کو محقق پر مسلط کرنے سے اجتناب کرے، کیونکہ محقق طالب علم ہی اول و آخر اپنے مقالہ کے بارے میں ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نگران ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد اور بری الذمہ ہے، کیونکہ جب اس نے طالب علم کی تحقیق پر نگرانی کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے تو گویا ضمنی طور پر وہ اس کی صلاحیت کا اعتراف بھی کر رہا ہے، اور جب اس نے مقالہ کے موضوع کو قبول کیا اور اس کی منظوری دی تو گویا اس نے یہ بات تسلیم کر لی کہ یہ موضوع قابل تحقیق ہے۔

جب اس نے مقالہ کو کمپوز کرنے اور جانچ پرکھ اور زبانی امتحان کے لیے پیش کرنے کی منظوری دے دی تو گویا اس نے اس تحقیق کو ایک قابل قدر کارنامے کے طور پر قبول کر لیا ہے۔ اگر ایک کامیاب تحقیق نگران کا مقام بلند کرتی ہے اور اس کے لیے اعزاز و افتخار کا باعث ہوتی ہے تو یقیناً اس کے زیر نگران ہونے والی ایک ناکام تحقیق اس کی رسوائی و بے توقیری کا باعث بن سکتی ہے۔ البتہ نگران مقالہ محقق کی ذاتی آراء، استنبطات اور نتائج تحقیق کا ذمہ دار نہیں کیونکہ ہر محقق کو اپنی رائے اور نظریے کے اظہار کا حق حاصل ہوتا ہے۔

ایسا نگران استاد جو اپنے طالب علم کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ محقق طالب علم کی طرف خصوصی توجہ رکھے، اس کے ساتھ اعتدال کا برتاؤ کرے، نہ زیادہ سختی نہ نرمی۔ اس کے ساتھ طے کیے جانے والے مقررہ اوقات کا خیال رکھے، اور مناسب رہنمائی کے لیے اسے کافی وقت دے۔ یقیناً ایسا استاد اپنے طالب علم کا اعتماد حاصل کر لیتا ہے اور طالب علم بھی اپنے نگران سے مطمئن ہوتا ہے، اور اس کی نگرانی میں بہتر سے بہتر تحقیق پیش کرتا ہے۔

محقق طالب علم کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ نگران استاد کا احترام کرے۔ اس کی نصیحتوں پر عمل کرے۔ اپنی مشکلات و مسائل سے اسے آگاہ کرتا رہے۔ اگرچہ محقق طالب علم اپنے موضوع کے بارے میں اپنے نگران استاد سے زیادہ محنت کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ نگران استاد صحیح

تحقیقی منہج، علمی اسلوب اور تحقیقی تجربے میں طالب علم سے کہیں زیادہ ہنر مند ہوتا ہے، اس کا علم انتہائی پختہ ہوتا ہے اور فنی معلومات میں اسے مہارت ہوتی ہے۔

لہٰذا محقق کو چاہیے کہ اس کی ہدایات کو غور سے سنے، اور اس کی تنقیدی آراء کو خندہ پیشانی سے قبول کرے، اگر کسی محقق کو اپنے نگران کی بعض آراء سے اختلاف ہو تو الجھنے کی بجائے اپنے نکتہ نظر کو دلائل کے ساتھ بہترین انداز میں اور پورے احترام کے ساتھ اپنے نگران کے سامنے محقق طالب علم اپنا خاکہ تحقیق اپنے نگران کو پیش کرتا ہے۔ یہ خاکہ تحقیق انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جب نگران اس خاکہ تحقیق کو منظور کرلے اور پھر شعبے کا بورڈ آف سٹڈیز اور یونیورسٹی کا ایڈوانسڈ ریسرچ بورڈ بھی اس کی منظوری دے دے تو طالب علم منظور شدہ خاکہ تحقیق کے مطابق بحث وتحقیق کا کام شروع کردیتا ہے۔

سوال نمبر6: (الف) خاکہ تحقیق (Synopsis) کے عناصر سپرد قلم کریں؟

(ب) کسی بھی علمی تحقیق کے لیے کتنے اور کون کون سے مراحل طے کرنا پڑتے ہیں کسی ایک مرحلہ کی وضاحت بھی کریں؟

جواب: (الف) خاکہ تحقیق کے عناصر:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2015ء میں ملاحظہ کریں۔

(ب) علمی تحقیق کے مراحل اور ایک مرحلہ کی وضاحت:

کسی بھی علمی تحقیق کو مکمل کرنے کے لیے درج ذیل مراحل کو طے کرنا ضروری ہے:

پہلا مرحلہ: انتخاب موضوع (Topic Selection)

دوسرا مرحلہ: خاکہ تحقیق کی تیاری (Synopsis/Research Proposol)

تیسرا مرحلہ: مصادر و مراجع کی تحدید (Specification of resources and vebrences)

چوتھا مرحلہ: علم مواد کی جمع آوری (Data Collection)

پانچواں مرحلہ: مقالے کی تسوید وتحریر (Drafting & Writing of Thesis)

چھٹا مرحلہ: مقالے کی حوالہ بندی (حواشی، حوالہ جات اور فہرست مصادر و مراجع کی تیاری) (Documentation & Citation of Research)

مقالے کی حوالہ بندی (حاشیہ نگاری اور مراجع ومصادر کی فہرست کی تیاری): Writing of Footnotes and Endnotes

(الف) حاشیہ نگاری:

حاشیہ کی تعریف اور اہمیت:

حاشیہ سے مراد وہ ثانوی افکار ہیں جنہیں محقق اپنی کتاب یا کسی دوسرے کی کتاب میں تحریر کرتا ہے۔ اس کا مقصد پیچیدہ امور کی تشریح کرنا، کسی نظریے اور سوچ کی وضاحت کرنا، یا اس کی مزید شرح کرنا، یا کسی معلوم چیز کے مصدر کو ذکر کرکے اس کی توثیق وتائید کرنا، کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخریج کرنا، کسی شخصیت یا کسی جگہ ومقام کا تعارف کروانا، کسی رائے کی تحقیق کرنا، یا کسی رائے پر تبصرہ کرنا ہوتا ہے۔ آج کل اس کو ہوامش (Footnote) کا نام دیا جاتا ہے، کیونکہ موجودہ دور میں اسے ہر صفحہ کے نیچے (دامن صفحہ) میں لکھا جاتا ہے، اور اس کے مقابلے میں ''متن'' (Text) کا لفظ آتا ہے، جسے محقق صفحے کے اوپر والے حصے میں تحریر کرتا ہے یہ دونوں لفظ یعنی متن اور ہامش لغوی اعتبار سے تحریر کی جانے والی اپنی جگہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر حوالہ جات کو باب یا فصل یا پورے مقالے کے آخر پر درج کیا جائے تو انہیں (Endnotes) کہا جاتا ہے۔

ہوامش جمع ہے اور اس کا واحد ''ہامش'' آتا ہے اور بعض محققین اسے ''حاشیہ'' اور ''تعلیق'' کا نام بھی دیتے ہیں، البتہ ان تینوں میں لغوی اور اصطلاحی فرق ضرور ہے۔ قدیم دور میں ''حاشیہ'' (Abridgement)، متن (Text) کے چاروں اطراف میں لکھا جاتا تھا، لیکن جب محققین نے موجودہ دور میں اسے صفحے کے نیچے (ذیل صفحہ میں) لکھنا شروع کیا تو ان کے اس طریقہ کو ہامش کا نام دیا گیا۔ البتہ تعلیق (Commentary) سے مراد متن کے بارے میں وہ تبصرہ ہے جسے محقق حاشیہ یا ہامش میں نقل کرتا ہے۔ مسلمان علماء میں آٹھویں صدی ہجری میں حواشی اور تعلیقات کا رواج پڑا، انہوں نے اہم کتابوں پر حواشی اور تعلیقات لکھنا شروع کیں، جن میں متن میں موجود تمام مشکل پیچیدہ مقامات کی تشریح و توضیح کی جاتی تھی، اور یہی چیز حاشیہ اور متن لکھنے کا سب سے بڑا اور اہم مقصد قرار پایا۔ فقہ اسلامی میں مشہور ترین حاشیہ ''حاشیہ ابن عابدین'' ہے۔

شروحات، حواشی اور ہوامش میں فرق:

مسلمان علماء نے اپنے اسلاف کی کتابوں پر شروحات لکھنا چوتھی ہجری میں شروع کیا۔ اس ضمن میں ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم خطابی (388ھ) کی صحیح بخاری کی شرح مسمی ''اعلام السنن فی شرح صحیح البخاری'' مشہور ومعروف ہے۔ واضح رہے شروح اور حواشی میں فرق ہے۔ شرح میں متن کے ہر ہر لفظ کی وضاحت کی جاتی ہے، اور ہر لفظ کے لغوی معنی اور اس سے مستنبط ہونے والے احکام وفوائد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں احکام وفوائد کے دلائل بھی ذکر کیے جاتے ہیں، اور ان پر تبصرہ بھی کیا جاتا ہے، جبکہ حواشی

میں کتاب کی عبارت کے ہر ہر لفظ کی وضاحت نہیں کی جاتی، بلکہ ان الفاظ کو زیر غور لایا جاتا ہے جن کی شرح، تعلیق کی ضرورت ہو۔ یہ الفاظ مختلف جگہوں سے منتخب کیے جاتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کے قریب بھی ہوتے ہیں اور کبھی بہت فاصلے پر بھی ہوتے ہیں۔

مؤلفین حضرات کبھی تو اصل کتاب پر حاشیہ لکھتے ہیں اور کبھی اصل کتاب کی شرح پر بھی حاشیہ لکھا جاتا ہے۔ دوسری صورت میں حاشیہ کے اندر ان الفاظ کو زیر بحث لایا جاتا ہے جنہیں شارح نے نظر انداز کر دیا ہو جبکہ ان کی وضاحت ناگزیر ہو، ایسے حاشیے کو صفحے کے کناروں میں سے کسی کنارے پر یا صفحے کی نچلی جانب لکھا جاتا ہے، اور اسے ایک لکیر کھینچ کر متن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ کبھی ایسے حواشی متن کے صفحات میں بھی لکھے جاتے ہیں، لیکن اس صورت میں متن کی عبارت کو قوسین (Brackets) کے اندر رکھ کر حاشیے سے جدا کر دیا جاتا ہے۔

جہاں تک ہوامش کا تعلق ہے تو موجودہ دور میں اس سے مراد وہ تعلیقات و شروحات ہیں جنہیں محقق صفحات کے نچلی جانب لکھا جاتا ہے، اور متن اور ان کے درمیان میں ایک لائن لگا کر فاصلہ کر دیتا ہے۔ متن میں وارد ہونے والے جس لفظ پر ہامش (Footnote) میں تبصرہ کرنا مقصود ہو اس کے اوپر متن میں ہی قوسین کے درمیان ایک نمبر دیا جاتا ہے، پھر وہی نمبر ہامش میں درج کیے جانے والے تبصرے کو دے دیا جاتا ہے۔ ایک صفحے کے اندر جن الفاظ پر تعلیقات لگانا مقصود ہو انہیں ترتیب کے لحاظ سے مسلسل نمبر دیے جاتے ہیں، اور یہی مسلسل نمبر اور ان کی ترتیب صفحے کے نیچے ہامش میں برقرار رہتی ہے۔ نیز ہر صفحے پر دوبارہ سے نئے نمبر لگائے جاتے ہیں۔ البتہ اگر ہر صفحے پر ہوامش لکھنے کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ حواشی و حوالہ جات کو فصل کے آخر تک یا باب کے آخر تک یا پورے مقالے کے آخر تک مؤخر کر دیا جائے، جنہیں اصطلاح میں (Endnotes) کہا جاتا ہے، تو پھر حواشی کو شروع سے آخر تک مسلسل نمبر لگانے پڑیں گے جو ہزاروں کی تعداد تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن پہلا طریقہ یعنی ہر صفحے کے الگ الگ ہوامش لگانا زیادہ بہتر اور متداول ہے۔

حاشیے میں کن امور کا تذکرہ کرنا چاہیے؟

اس بارے میں اہل علم و دانش کا اختلاف ہے کہ حاشیے میں کن چیزوں کا تذکرہ کرنا چاہیے اور کن چیزوں کا تذکرہ غیر مفید ہے؟ اس سلسلے میں محققین کا ایک گروہ جس میں چودھویں صدی ہجری کے شیخ المحققین عبد السلام ہارون (م 1408ھ) بھی شامل ہیں، کا کہنا ہے کہ کتابوں پر ہوامش و حواشی لکھنا درست نہیں، بلکہ صرف متن (Text) کو ضبط کیا جائے، اس کی وضاحت کی جائے اور اس کی عبارات پر تحقیق کی جائے۔ موصوف نے بہت سے مصادر عربیہ پر تخریج کا کام کیا ہے، جس میں ان کی زیادہ تر توجہ

متن کی تدوین اور اسے تصحیف و تحریف اور اضافہ و نقصان سے محفوظ رکھنے پر مرکوز رہی۔ دوسری جانب محققین کا ایک گروہ متون کو حواشی، شروح، تعلیقات اور وضاحتی فوائد کے ذریعے قاری کے لیے مفید بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض متاخرین تو اس سلسلے میں اتنا آگے بڑھے کہ انہوں نے متون (Texts) کو اپنے حواشی اور تعلیقات سے اس قدر بوجھل بنا دیا کہ وہ قارئین کو کتاب کے اصل موضوع کی طرف متوجہ کرنے کی بجائے حواشی میں درج کیے گئے فروعی موضوعات کی طرف لے گئے، جو قارئین کے لیے کسی طرح بھی اہم نہ تھے۔ مذکورہ بالا دونوں گروہوں کے محققین کے اقوال میں تطبیق کی صورت یہ کہ صرف ایسے حواشی درج کیے جائیں جو متن کی الجھنوں کو حل کریں، اور قاری کی توجہ متن کی تفہیم تک مرکوز رکھیں، اور جو تعلیقات ایسی نہ ہوں انہیں حواشی میں درج کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ اہل علم و تحقیق کا حاشیے میں درج کیے جانے والے جن امور پر اتفاق ہے، ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

1- قرآنی آیات کی تخریج اور قرآن مجید کے غریب و مشکل اور نادر الفاظ کی تفسیر۔

2- احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی تخریج اور ان میں وارد ہونے والے غریب الفاظ کی وضاحت اور صحیح و غیر صحیح کا درجہ بیان کرنا۔

3- متن میں وارد ہونے والے غریب الفاظ، نادر اصطلاحات کی لغوی و اصطلاحی وضاحت اور ان کے تلفظ (Pronunciation) کو حروف کے ذریعے ضبط کرنا۔

4- غیر معروف شخصیات کا تعارف۔

5- غیر معروف مقامات، شہروں، ملکوں، حادثات و واقعات و ادوار کا تعارف۔

6- ضرب الامثال اور اشعار کی تخریج، شعروں کے اوزان و بحور، شعراء کے نام اور قصائد کا پس منظر ضبط کرنا۔

7- عبارات و اقتباسات کی تحقیق کر کے اصل مصادر کا حوالہ دینا۔

8- مختلف آراء کا تجزیہ و موازنہ اور موافقت و مخالفت کی وجوہات بیان کرنا۔

9- متن میں ذکر کردہ مسائل کے دلائل اور ان کی وضاحت کے لیے مثالیں دینا۔

10- متن پر ایسا تبصرہ جو اس کے کسی مشکل مقام کی وضاحت کرے یا کسی رائے پر تنقید کرے۔

11- داخلی حوالہ جات یعنی قارئین کی ایک ہی موضوع کے بارے میں مقالے میں وارد ہونے والی مختلف معلومات کے مقامات کی طرف رہنمائی کرنا۔

حاشیہ لکھنے کی جگہ:

حاشیہ لکھنے کے لیے مندرجہ ذیل تین مقامات میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جاسکتا ہے:

1- صفحے کے دامن میں (At the bottom of each page)

2- ہر باب یا فصل کے اختتام پر (At the end of each chapter)

3- مقالے کے اختتام پر (At the end of entire thesis)

مذکورہ بالا مقامات میں سے کسی مقام کی ترجیح کے بارے میں محققین میں اتفاق نہیں ہے، البتہ تجربات کی روشنی میں اور یونیورسٹیوں میں زیادہ تر رائج طریقہ کار کے مطابق حاشیے کے لیے قابل ترجیح جگہ ہر صفحے کا دامن ہے۔ کیونکہ اس طرح متن اور حاشیہ دونوں بیک وقت نظر میں ہوتے ہیں اور ان کا مطالعہ وموازنہ آسان ہوتا ہے۔ جہاں تک دوسرے دونوں طریقوں کا تعلق ہے تو ان میں متن اور حاشیے میں دوری کی وجہ سے قارئین کو بار بار صفحات پلٹنے کی زحمت کرنا پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ذہن متن میں موجود مضامین، آراء، نظریات اور افکار کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہوسکتا۔ نیز دوسرا اور تیسرا طریقہ اگر ایک چھوٹے سے مضمون کے لیے، یا زیادہ سے زیادہ ایم اے کے مقالہ کے لیے اپنایا جائے تو حجم کم ہونے کی وجہ سے، چونکہ حواشی کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی، اس لیے کسی حرج اور غلطی کا امکان کم ہوتا ہے، لیکن چونکہ ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کے مقالات حجم میں بڑے ہوتے ہیں، اوران کے حواشی کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، اس صورت میں اگر پہلے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا یا تیسرا طریقہ اختیار کیا جائے تو حواشی کی مسلسل ترقیم (Numbering) کی وجہ سے کسی ایک جگہ غلطی ہونے پر تمام حواشی متاثر ہوں گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہر صفحے کے حواشی اس کے دامن میں تحریر کیے جائیں۔

حوالہ دینے کا طریقہ:

قارئین کو متن (Text) سے ہوامش (Footnotes) میں حوالے کی طرف لے جانے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے ہیں، مثلاً: نمبرز، سٹارز اور حروف ابجد۔

ان تمام طریقوں میں سب سے آسان اور زیادہ متداول طریقہ نمبروں کے استعمال کا ہے۔ اکثر محققین یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں، لیکن ریاضی (Mathematic) اور شماریات (Statistic) سے متعلق تحقیق میں حروف ابجد کا استعمال زیادہ بہتر ہے، تاکہ متن میں وارد ہونے والے اصل اعداد اور ہوامش کے نمبرز میں فرق ہوسکے۔

حوالہ جات کی ترقیم کا طریقہ:

حوالہ جات کے لیے جب ترقیم کا طریقہ استعمال کیا جائے تو اس کے لیے تین مختلف طریقے ہیں:

1- ہر صفحے کے حوالہ جات میں الگ ترقیم:

اس طریقہ کے مطابق ہر صفحے کے حوالہ جات کی الگ الگ ترقیم کی جاتی ہے۔ ہر صفحے کی ترقیم اسی

صفحے پر ختم ہوجاتی ہے اور نئے صفحے سے نئی ترقیم شروع ہوتی ہے۔

2- فصل کے حوالہ جات کی مسلسل ترقیم:

اس طریقے کے مطابق محقق ایک فصل یا باب کے تمام حوالہ جات کی ابتداء سے انتہاء تک مسلسل ترقیم (Numbering) کرتا ہے اور فصل یا باب کے اختتام پر تمام حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں۔

3- مقالے کے تمام حوالہ جات کی مسلسل ترقیم:

اس طریقے کے مطابق محقق اپنے پورے مقالے (Thesis) کے حوالہ جات کی ابتداء سے انتہاء تک مسلسل ترقیم کرتا ہے، اور مقالے کے اختتام پر تمام حوالہ جات اکٹھے ذکر کردیے جاتے ہیں۔ ترقیم (Numbering) کا پہلا طریقہ سب سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں زیادہ آسانی اور زیادہ احتیاط ہوتی ہے، کیونکہ بعض اوقات محقق کو کسی حوالے کو حذف کرنا یا اضافہ کرنا پڑتا ہے، تو اس پہلے طریقے میں کسی قسم کی بھی تبدیلی کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔ اگر دوسرا یا تیسرا طریقہ اختیار کیا جائے تو کسی ایک حوالہ کی تبدیلی پورے باب، فصل یا مقالے کے حوالہ جات کی تبدیلی پر منتج ہوگی۔ البتہ چھوٹے چھوٹے مقالات ومضامین میں آخری دونوں طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الاختبار السنوی النهائی تحت اشراف تنظیم المدارس (اهل السنة) باکستان

الشهادة العالمية فی العلوم العربية و الاسلامية

"السنة الأولىٰ" للطلاب الموافق سنة ۱۴۴۰ھ/ 2019ء

الورقة الخامسة: لشرح معانی الآثار

الوقت المحدد: ثلث ساعات　　　　مجموع الأرقام:۱۰۰

الملاحظة: لك الخيار أن تجيب عن ثلثة

السؤال الاول: قال أبو جعفر فذهب قوم الی ان الفجر یؤذن لها قبل دخول وقتها و احتجو بهذه الاثار فممن ذهب الی ذلك ابو یوسف وخالفهم فی ذلك أخرون فقالوا لا ینبغی ان یؤذن للفجر ایضا الابعد دخول وقتها

(الف)انقل العبارة المذكورة الی الأردية واذكر دليل مذهب ابی یوسف؟ ۷+۷=۱۴

(ب)اكتب مذهب الطرفين عليهما الرحمة فی هذه المسئلة مع دلائلهما من الأحاديث المباركة؟ ۲۰

السؤال الثانی: عن عبدالله بن محمد بن عبدالله بن زید عن ابیه عن جده انه حین اری الاذان امر النبی صلی الله علیه وسلم بلالا فاذن ثم امر عبدالله فاقام

(الف)شكل الحديث ثم ترجمه الی اللغة الأردية؟ ۶+۷=۱۳

(ب)اكتب موقف الفقهاء فی الرجلين یؤذن احدهما ویقیم الآخر وایضا اذكر نظر الطحاوی فی هذه المسئلة؟ ۲۰

السؤال الثالث: عن عبدالله بن شقیق ان ابن عباس اخر صلوة المغرب ذات لیلة فقال رجل الصلوة الصلوة فقال لام لك اتعلمنا بالصلوة وقد كان النبی صلی الله علیه وسلم ربما جمع بینهما بالمدینة

(الف)انقل الحديث الی الأردية، وما الجواب عند الاحناف عن الحديث المذكور؟ ۶+۷=۱۳

(ب)هل یجوز الجمع بین الصلوتین فی وقت واحد أم لا؟ أوضح مذهب الاحناف مع دلائلهم. ۲۰

السؤال الرابع: عن نعیم بن المجمر قال صلیت ورآء ابی هریرة فقرء بسم الله الرحمن الرحیم فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین فقال الناس آمین یقول اذا سلم اما والذی نفسی بیده انی لاشبهكم صلوة برسول الله

(الف) كيف يقرء التسمية فی الصلوات الجهرية اهی جهرية ام سرية؟ بین موقفك مع الدلائل ۲۰

(ب) كم مذهبا فی المسئلة المذكور؟ اذكر موقف كل واحد منهم. ۱۳

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درجہ عالیہ (برائے طلباء) سال اول 2019ء

پانچواں پرچہ: شرح معانی الآثار

سوال نمبر 1: قال أبو جعفر فذهب قوم الی ان الفجر یؤذن لها قبل دخول وقتها و احتجو بهذه الاثار فممن ذهب الی ذلك ابو یوسف وخالفهم فی ذلك أخرون فقالوا لا ینبغی ان یؤذن للفجر ایضا الابعد دخول وقتها

(الف)انقل العبارة المذكورة الی الأردية واذكر دليل مذهب ابی یوسف؟

(مذکورہ عبارت کا اردو میں ترجمہ کریں اور حضرت امام ابو یوسف کے مذہب پر دلیل پیش کریں؟)

(ب)اكتب مذهب الطرفين عليهما الرحمة فی هذه المسئلة مع دلائلهما من الأحاديث المباركة؟

(اس مسئلہ میں طرفین کا مذہب بیان کریں اور احادیث سے دلائل دیں؟)

جواب: (الف) ترجمہ عبارت:

حضرت امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگ اس طرف گئے ہیں کہ فجر کی اذان فجر کی نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور انہوں نے ان روایات سے استدلال کیا ہے۔ پس جو لوگ اس طرف گئے ہیں، ان میں سے ایک امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ دوسرے لوگوں نے اس بارے میں ان کی مخالفت کی اور انہوں نے کہا: فجر کی اذان بھی اس کا وقت شروع ہونے پر پڑھی جائے۔

امام ابو یوسف کی دلیل:

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مؤقف کی دلیل یہ روایت ہے:

عن سمرة بن جندب رضی الله عنه قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا

يغرنكم بداء بلال ولا هذا البياض حتى يبدو الفجر .

(ب) مذکورہ مسئلہ میں طرفین کا مؤقف اور احادیث سے ان کے دلائل:

اس بات میں تمام آئمہ فقہ کا اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ تمام اذانیں نماز کا وقت شروع ہونے پر پڑھی جائیں لیکن فجر کی اذان کے بارے میں دو اقوال ہیں:

قول اول: حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ نماز فجر کا وقت شروع ہونے سے قبل فجر کی اذان پڑھی جائے گی۔ انہوں نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان بلالا ينادى بليل، فكلو واشربوا حتى ينادى ابن مكتوم"

اس روایت میں صراحت ہے کہ فجر کی اذان نماز فجر کا وقت شروع ہونے سے قبل پڑھی جاتی تھی۔

قول ثانی: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرات طرفین اور امام حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ دوسری نمازوں کی طرح فجر کی اذان بھی فجر کی نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے:

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا اذن المؤذن بالفجر، قام فصلى كعتى الفجر ثم خرج الى المسجد وحرم الطعام وكان لا يؤذن حتى يصبح"

اس روایت میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صبح صادق سے قبل فجر کی اذان ہیں پڑھی جاتی تھی۔

احناف کی طرف سے حضرت امام شافعی وغیرہ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کبھی کبھار غلطی سے ر کا وقت شروع ہونے سے پہلے فجر کی اذان پڑھی جاتی تھی اور یہ مؤذن کا معمول نہیں تھا۔

سوال نمبر 2: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ حِيْنَ يَ الْاَذَانُ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَ عَبْدُ اللهِ فَاَقَامَ

(الف) شكل الحديث ثم ترجمه الى اللغة الأردية؟

(حدیث پر اعراب لگائیں پھر اردو میں ترجمہ کریں؟)

(ب) اكتب موقف الفقهاء فى الرجلين يؤذن احدهما ويقيم الآخر وايضا اذكر الطحاوى فى هذه المسئلة؟

(دو آدمیوں کے بارے میں فقہاء کا مؤقف واضح کریں کہ ایک شخص اذان پڑھے: اور دوسرا ت پڑھے؟ اس بارے میں نظر طحاوی بھی بیان کریں؟)

جواب: (الف) حدیث پر اعراب اور اس کا اردو میں ترجمہ:

نوٹ: حدیث پر اعراب اوپر لگا دیے گئے ہیں اور ترجمہ درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا تو اس نے اذان پڑھی پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن مکتوم کو حکم دیا تو اس نے اقامت پڑھی۔

(ب) ''ایک شخص اذان پڑھے اور دوسرا اقامت'' کے مسئلہ میں فقہاء کا مؤقف اور نظر طحاوی:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2014ء میں ملاحظہ کریں۔

سوال نمبر 3: عن عبدالله بن شفيق ان ابن عباس اخر صلوة المغرب ذات ليلة فقال رجل الصلوة الصلوة فقال لا ام لك اتعلمنا بالصلوة وقد كان النبى صلى الله عليه وسلم ربما جمع بينهما بالمدينة

(الف) انقل الحديث الى الأردية، وما الجواب عند الاحناف عن الحديث المذكور؟

(حدیث کا اردو میں ترجمہ کریں، اور احناف کے ہاں مذکور حدیث کا کیا جواب ہے؟)

(ب) هل يجوز الجمع بين الصلوتين فى وقت واحد أم لا؟ أوضح مذهب الاحناف مع دلائلهم .

(کیا دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث:

حضرت عبداللہ بن شفیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک رات نماز مغرب تاخیر سے ادا کی تو ایک شخص نے کہا: نماز، نماز تو آپ نے کہا: میں تجھے نماز نہیں پڑھاؤں گا کیا تو ہمیں نماز سکھاتا ہے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار مدینہ میں دو نمازوں کو جمع کیا۔

احناف کی طرف سے حدیث کا جواب:

دو نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرنے کو ''جمع الصلوتین'' کہتے ہیں۔ ۹ ذوالحجہ کو میدان عرفات میں ظہر کے وقت ظہر اور عصر دونوں جبکہ ۱۰ ذی الحجہ کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا متفقہ طور پر جائز ہے۔ ان دو مقامات کے علاوہ سب نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں پڑھنا

ضروری ہے۔

حدیث مذکورہ کا احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ''جمع الصلوتین'' حقیقتاً جائز نہیں ہیں، کیونکہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت سے الگ ہے۔لہٰذا ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا درست نہیں ہے، البتہ جمع صوری کی شکل میں درست ہے۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ ظہر کی نماز کے آخری وقت میں پڑھ کر پھر فوراً عصر کی نماز عصر کے اول وقت میں پڑھ لی جائے، اسی طرح مغرب کی نماز غروب شفق سے کچھ دیر پہلے اور عشاء کی نماز غروب شفق کے فوراً بعد پڑھ لی جائے۔

(ب) ''جمع صلوٰتین'' کے بارے میں احناف کا موقف:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2014ء میں ملاحظہ کریں۔

سوال نمبر4: **عن نعیم بن المجمر قال صلیت وراء ابی هریرة فقرء بسم الله الرحمن الرحیم فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین فقال الناس آمین یقول اذا سلم اما والذی نفسی بیده انی لاشبهکم صلوة برسول الله**

(الف) کیف یقرء التسمیة فی الصلوات الجهریة اهی جهریة ام سریة؟ بین موقفک مع الدلائل

(کیا جہری نمازوں میں بسم اللہ جہری پڑھی جائے گی یا پست آواز میں؟ اپنا موقف دلائل سے واضح کریں؟)

(ب) کم مذهبا فی المسئلة المذکور؟ اذکر موقف کل واحد منهم؟

(مسئلہ مذکورہ میں کتنے مذاہب ہیں؟ ہر ایک کا موقف بیان کریں؟)

جواب: (الف) جہری نمازوں میں بسم اللہ پست پڑھنا:

احناف کے ہاں بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے، قرآن کا حصہ ضرور ہے اور تمام نمازوں میں اسے پست پڑھا جائے گا۔زیر بحث حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کے مقابل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے' جو قوی ہے اور اس میں بسم اللہ پست آواز سے پڑھنے کا ذکر ہے۔لہٰذا قوی حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی۔

(ب) مسئلہ مذکور میں مذاہب:

نماز میں بسم اللہ جہراً یا سراً پڑھنے میں تین مذاہب ہیں:

۱۔حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کی جزء ہے اور وہ تمام نمازوں میں جہراً پڑھی جائے گی۔انہوں نے حضرت ابو ہریرہ والی روایت سے استدلال کیا ہے۔جس میں بسم اللہ

جہراً پڑھنے کی صراحت ہے۔

۲۔حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے کہ بسم اللہ نماز میں نہ جہراً پڑھی جائے گی اور نہ سراً، کیونکہ یہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے:

''کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا نهض فی الثانیة، استفتح "الحمد لله رب العلمین" ولم یسکت''۔

۳۔حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام احمد اور حضرت امام اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے بلکہ قرآن کا جز ہے، تمام نمازوں میں یہ پست پڑھی جائے گی۔انہوں نے حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے:

''قال: کان عمر و علی لا یجهران ببسم الله الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ وبالتامین''

اس روایت میں صراحت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ، تعوذ اور آمین جہراً نہیں پڑھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الاختبار السنوی النھائی تحت اشراف تنظیم المدارس (اھل السنة) باکستان

الشھادة العالمیة فی العلوم العربیة والاسلامیة

"السنة الأولی" للطلاب الموافق سنة ۱۴۴۰ھ/ 2019ء

الورقة السادسة: للمؤطین

الوقت المحدد: ثلث ساعات　　　　مجموع الأرقام:۱۰۰

الملاحظة: أجب عن اثنین، من کل قسم

القسم الاول...... مؤطا الامام مالک

السوال الاول: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال والذی نفسی بیدی لخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسک انما یذر شھوته وطعامه وشرابه من اجلی فالصیام لی وانا اجزی به .

(الف)شکل الحدیث ثم ترجمه الی الأردیة واشرح الکلمات المخطوطة؟ ۱۵

(ب)ماحکم السواک للصائم؟ مع أنه مزیل للخلوف المذکور الممدوح فی الحدیث . ۱۰

السوال الثانی: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من اعتق شر کاله فی عبد فکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم علیه قیمة العدل فاعطی شرکائه حصصھم وعتق علیه العبد والافقد عتق منه ماعتق

(الف)ترجم الحدیث الشریف واشرحه؟ ۱۰

(ب)اذکر اختلاف الأئمة الکرام مفصلا فی القضیة المذکورة فی الحدیث؟ ۱۵

السوال الثالث: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل عن الامة اذا زنت ولم تحصن فقال ان زنت فاجلدوھا ثم ان زنت فاجلدوھا ثم ان زنت فاجلدوھا ثم بیعوھا ولو بضفیر

(الف)ترجم الحدیث الی الأردیة واذکر وجه قید "ولم تحصن"؟ ۱۰

(ب)اذکر حد الزنا للأمة وما ھی الحکمة فی حکم بیعھا؟ ۱۰

(ج)ماھو جواب لو فی قوله علیه السلام "ولو بضفیر"؟ ۵

القسم الثانی...... مؤطا الامام محمد

السوال الرابع: (الف)اذکر کنیة الامام محمد وما ھو وجه کنیة امامنا بابی حنیفة؟ ۱۰

(ب)بین الفرق بین المؤطین مع ذکر مزایا مؤطا الامام محمد؟ ۱۵

السوال الخامس: ان ابن عمر کان یبعث بزکوة الفطر الی الذی تجمع عنده قبل الفطر بیوم او ثلثة

(الف)شکل الحدیث ثم ترجمه الی الأردیة واشرح العبارة المخطوطة؟ ۱۵

(ب)ھل صدقة الفطر واجب أم مستحب؟ وھل اداثه واجب قبل صلوة العید؟ ۱۰

السوال السادس: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رخص لصاحب العریة ان یبیعھا بخرصھا

(الف)ترجم الحدیث الی الأردیة؟ ۵

(ب)اذکر اختلاف الأئمة فی بیع العرایا مع تزیین مذھبک بالدلائل؟ ۲۰

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درجہ عالیہ (برائے طلباء) سال اول 2019ء

چھٹا پرچہ: المؤطین

﴿قسم اوّل...... مؤطا امام مالک﴾

سوال نمبر 1: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِیْ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ اِنَّمَا یَذَرُ شَھْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ مِنْ اَجْلِیْ فَالصِّیَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ .

(الف)شکل الحدیث ثم ترجمه الی الأردیة واشرح الکلمات المخطوطة؟

(حدیث پر اعراب لگائیں، اس کا اردو میں ترجمہ کریں اور خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کریں؟)

(ب)ماحکم السواک للصائم؟ مع أنه مزیل للخلوف المذکور الممدوح فی الحدیث؟

(روزہ دار کی مسواک کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے وہ خوشبو زائل ہو سکتی ہے جس کی حدیث میں

تعریف کی گئی ہے؟)

جواب: (الف) اعراب، ترجمہ حدیث:

نوٹ: اعراب اوپر حدیث پر لگادیے گئے ہیں اور ترجمہ درج ذیل ہے۔

بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے، کیونکہ وہ اپنی خواہشات نفسانی، کھانا اور پینا میری وجہ سے چھوڑتا ہے۔ پس روزے میرے لیے ہیں اور میں اس کا اجر دوں گا۔

خط کشیدہ الفاظ کی تشریح:

خط کشیدہ الفاظ دو ہیں: لَ جو تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خلوف: یہ منہ کی وہ خوشبو ہے جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، وضو کرنے اور مسواک کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ لہٰذا حالت روزہ میں مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے روزہ دار کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

(ب) حالت روزہ میں مسواک کا حکم:

حالت روزہ میں مسواک کے جواز وعدم جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ روزہ کی حالت میں ہر قسم کی مسواک کی جاسکتی ہے، خواہ زوال سے قبل کرے یا زوال کے بعد کرے، تر کرے یا خشک کرے۔ یاد رہے کہ مسواک کرنے سے روزہ دار کے منہ کی خوشبو زائل نہیں ہوتی۔

۲- حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ زوال سے قبل تو مسواک جائز ہے لیکن زوال کے بعد مکروہ ہے۔

۳- حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ دن کے پہلے حصہ میں مسواک جائز ہے مگر آخری حصہ میں مکروہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب نہایت قوی ہے، یہی کثیر روایات سے ثابت ہوتا ہے اور اسی پر تابعین اور تبع تابعین کا بلکہ عصر حاضر تک اکثر مسلمانوں کا عمل ہے۔

سوال نمبر2: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اعتق شرکا لہ فی عبد فکان ہ مال یبلغ ثمن العبد قوم علیہ قیمۃ العدل فاعطی شرکاءہ حصصہم وعتق علیہ العبد لا فقد عتق منہ ما عتق

(الف) ترجم الحدیث الشریف واشرحہ؟

(حدیث کا ترجمہ کریں اور اس کی تشریح کریں؟)

(ب) اذکر اختلاف الائمۃ الکرام مفصلا فی القضیۃ المذکورۃ فی الحدیث؟

(حدیث میں مذکور مسئلہ میں اختلاف آئمہ بیان کریں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث:

بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مشترک غلام سے اپنا حصہ آزاد کردے اور اس کے پاس غلام کی قیمت کے برابر مال ہو تو انصاف سے اس کی قیمت لگائی جائے گی تو وہ ہر شریک کو اس کا حصہ دے گا اور غلام اس کی جانب سے آزاد ہوگا، ورنہ اتنا ہی آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

حدیث کی تشریح:

ایک غلام دو آدمیوں کا مشترک ہو، ایک شخص اپنے حصہ کا آزاد کردے جبکہ اس کے پاس پورے غلام کی رقم موجود ہو۔ اس صورت میں انصاف کی بنیاد پر غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور غلام ہر حصہ دار کو اس کے حصہ کے مطابق قیمت ادا کرکے آزادی حاصل کرسکتا ہے۔ اگر اس کے پاس غلام کی قیمت کے مطابق رقم نہ ہو تو اس صورت میں غلام اتنا آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہوگا۔

(ب) حدیث میں مذکور مسئلہ میں مذاہب آئمہ:

چند شخص ایک غلام کے مالک تھے اور غلام ان سب میں مشترک تھا کہ ایک مالک نے اپنا حصہ آزاد کردیا تو اگر اس آزاد کرنے والے کے بعد کھانے پینے اور لباس اور رہنے کے مکان وخدمت کے غلام غرض ضروریات سے بچا ہوا اتنا مال ہو جو باقی حصہ داروں کے حصوں کی قیمت کے برابر ہو۔ لہٰذا اس آزاد کرنے والے کے مکان، جائیداد، کپڑے فروخت کروا کر ان شرکاء کو نہ دلوایا جائے گا۔ یہ قیود بہت خیال میں رہیں۔ یعنی آزاد کرنے والے اگر اس قدر مال کا مالک ہے (جو مذکور ہوا) تو باقی مالکوں کے حصوں کی انصاف والی قیمت اس سے دلوائی جائے گی اور غلام پورا آزاد ہوگا۔ اور یہ اکیلا ہی آزاد کرنے والا مانا جائے گا، اس کی ولاء ساری کی ساری اسی معتق کی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں اس ایک مالک کے آزاد کرتے ہی سارا غلام آزاد ہوجائے گا، ان بقیہ مالکوں کو قیمت دینے پر آزادی موقوف نہ ہوگی۔ نیز یہ حکم ہر غلام ومعتق کا ہے خواہ مومن ہوں یا کافر اور اس آزادی سے راضی ہوں یا ناراض۔ یہی مذہب صاحبین کا ہے اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ نے اختیار فرمایا۔ یعنی آزاد کرنے والا مالک تنگ دست ہے کہ اس کے پاس مذکورہ مال نہیں ہے تو اتنا حصہ غلام کا آزاد ہوگا، باقی حصہ غلام ہی رہے گا۔ باقی مالکوں کو حق ہے کہ یا غلام سے محنت ومشقت کروا کر اس کی بقیہ قیمت وصول کرکے آزاد کردیں یا غلام ہی رہنے دیں یا وہ بھی باخوشی بغیر عوض آزاد کردیں۔ یہ مذہب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

غرضیکہ ان کے ہاں غلام کی آزادی کے حصے ہو سکتے ہیں کہ اس غلام کا بعض حصہ آزاد ہے۔ ہمارے امام اعظم کے ہاں اگرچہ آزادی منقسم ہو سکتی ہے مگر منقسم رہ نہیں سکتی۔ لہٰذا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو اس وقت غلام کا یہی حصہ آزاد ہوگا مگر باقی مالکوں کو حق حاصل ہوگا کہ یا تو وہ بھی آزاد کر دیں، یا غلام سے مشقت کروا کر اپنے حصوں کی قیمت وصول کر لیں اور غلام یہ قیمت دے کر آزاد ہو جائے۔ بہرحال تمام آئمہ کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر آزاد کرنے والا غنی ہے تو سارا غلام آزاد ہو جائے گا، آزادی منقسم نہ ہوگی۔ اس پر بھی آئمہ متفق ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا فقیر ہے تو اتنا حصہ آزاد ہوگا جتنا آزاد کیا گیا۔ تاہم اختلاف اس میں ہے کہ باقی حصہ غلام رہے گا یا نہیں؟ امام شافعی کے ہاں رہے گا، ہمارے ہاں نہیں اور صاحبین تقسیم عتق کے قائل نہیں۔ ان کے ہاں بہرحال تمام غلام آزاد ہوگا، معتق غنی ہو یا فقیر، ہاں فقیر کی صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا مگر محنت کر کے اپنی بقیہ قیمت باقی مالکوں کو دے۔

سوال نمبر3: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن الامة اذا زنت ولم تحصن فقال ان زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم بيعوها ولو بضفير

(الف) ترجم الحديث الى الأردية واذكر وجه قيد "ولم تحصن"؟

(حدیث کا اردو میں ترجمہ کریں، "ولم تحصن" قید کی وجہ بیان کریں؟)

(ب) اذكر حد الزنا للأمة وما هي الحكمة في حكم بيعها؟

(لونڈی کی حدِ زنا بیان کریں اور اسے فروخت کرنے میں کیا حکمت ہے؟)

(ج) ماهو جواب لو في قوله عليه السلام "ولو بضفير"؟

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "ولو بضفير" میں "لو" کا جواب کیا ہوگا؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث:

بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لونڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جب وہ زنا کرے اور وہ محصنہ نہ ہو؟ فرمایا: اگر وہ زنا کرے تو اسے کوڑے مارو، پھر زنا کرے تو اسے کوڑے مارو اور پھر زنا کرے تو اسے کوڑے مارو، اسے فروخت کر دو خواہ ایک رسی کے عوض۔

"ولم تحصن" کی قید کا فائدہ:

اس کا مطلب ہے شادی شدہ نہ ہونا، اگر آزاد مرد یا آزاد عورت زنا کرے تو اس کی حد رجم ہے، اگر وہ غیر شادی شدہ ہوں تو ان کی حد سو کوڑے ہے۔ کنیز خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس کی حد پچاس کوڑے ہے۔

(ب) کنیز کی حدِ زنا اور اسے فروخت میں حکمت:

لونڈی خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، زنا کا ارتکاب کر لینے کی صورت میں اس کی حد پچاس کوڑے ہے، کیونکہ رجم کا نصف ہونا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا پچاس کوڑے متعین ہو گئے۔

جس شخص سے کنیز بار بار زنا کراتی ہے مالک اس کے ہاتھوں اسے فروخت کر دے، کیونکہ وہ اس پر فریفتہ ہے، اسے بیچ کر دینے سے اس کے لیے حلال ہو جائے گی یا کسی ایسے شخص کے ہاتھوں فروخت کر دے جو اسے زنا سے روک سکے اور اسے روکنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے کہ جو چیز خود پسند نہیں کرتے تو دوسروں کے لیے کیوں پسند کرتے ہو، کیونکہ چیز کے عیب کو چھپا کر اسے فروخت کرنا منع ہے ورنہ منع ہرگز نہیں ہے۔

(ج) "ولو بضفير" کا مفہوم:

قرآن کی فصاحت و بلاغت اس کے بے مثل ہونے اور کلامِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ احادیث کی فصاحت و بلاغت ان کے بے مثال اور کلامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ فقرہ نہایت مختصر ہے مگر ایک جامع مضمون کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس فقرہ سے ثابت ہوا کہ قیمتی چیز کو معمولی رقم پر فروخت کر دینا درست ہے اور یہ مال کی بربادی نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے نہایت سستی چیز فروخت کرنے سے منع کیا ہے مگر یہ وہاں ہے جب بائع اپنی مفلسی کے باعث سستے داموں کوئی چیز فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لہٰذا یہ حدیث اس مسئلہ کے منافی نہیں ہے۔

﴿قسم ثانی: مؤطا امام محمد﴾

سوال نمبر4: (الف) اذكر كنية الامام محمد وما هو وجه كنية امامنا بابي حنيفة؟

(امام محمد کی کنیت بتائیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت "ابوحنیفہ" کی وجہ بتائیں؟)

(ب) بين الفرق بين المؤطين مع ذكر مزايا مؤطا الامام محمد

(مؤطا امام محمد کے مزایا کا ذکر کرتے ہوئے مؤطین کے درمیان فرق بیان کریں؟)

جواب: (الف) امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت اور امام اعظم کی کنیت "ابوحنیفہ" کی وجہ:

وہ شخصیت جس نے ایک لاکھ سے زیادہ مسائل مستنبط کیے، تقریباً ایک ہزار کتب تصنیف فرمائیں اور لاتعداد تلامذہ چھوڑے ہماری مراد حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کی کنیت "ابوعبداللہ" ہے۔

وہ شخصیت جس نے براہِ راست صحابہ کرام اور تابعین سے اکتسابِ علم کیا، امام مالک، امام احمد بن

حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے فقہاء پیدا کیے قرآن و سنت کی ایسی تعبیر پیش کی جس کی مثال ناممکن ہے، ہماری مراد امام الائمہ حضرت نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ کی کنیت "ابوحنیفہ" ہے حنیفہ نامی آپ کی کوئی بیٹی نہیں تھی بلکہ اس کا مطلب ہے، صاحب ملت حنیفہ اور اس کا مفہوم ہے "ادیان باطلہ سے اعراض کر کے دین حق کو اختیار کرنے والا" اس معنی کی غرض سے یہ کنیت اختیار کی گئی ہے۔

(ب) مزایا امام محمد اور مؤطین میں فرق:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2014ء، 2015ء میں ملاحظہ کریں۔

سوال نمبر 5: إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ بِزَكٰوةِ الْفِطْرِ إِلَى الَّذِي تُجْمَعُ عِنْدَهُ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ ثَلٰثَةٍ

(الف) شكل الحديث ثم ترجمه الى الأردية . واشرح العبارة المخطوطة

(حدیث پر اعراب لگائیں، اس کا ترجمہ کریں اور خط کشیدہ عبارت کی وضاحت کریں؟)

(ب) هل صدقة الفطر واجب ام مستحب؟ وهل اداله واجب قبل صلوة العيد؟

(کیا صدقہ فطر وجب ہے یا مستحب؟ کیا اس کا ادا کرنا نماز عید سے قبل ضروری ہے؟)

جواب: اعراب حدیث اور ترجمہ حدیث:

نوٹ: اعراب اوپر حدیث پر لگادیے گئے ہیں اور اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

بیشک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر سے دو یا تین دن پہلے جس عامل کے پاس صدقہ فطر جمع کیا جاتا تھا، اس کے پاس صدقہ فطر روانہ کر دیتے تھے۔

خط کشیدہ عبارت کا مفہوم:

دور رسالت سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر اور عشر وصول کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو تعینات کیا جاتا تھا، انہیں عاملین کہا جاتا ہے۔ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے مرکز میں روانہ کر دیتے تھے، اس مبارک نظام سے کوئی غریب نہیں رہتا تھا اور مرکز کے زیر اہتمام یہ دولت حقداروں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی عید الفطر سے دو یا تین ایام قبل صدقہ فطر عامل کے پاس روانہ کر دیا کرتے تھے تاکہ بروقت اس کی تقسیم عمل میں لائی جاسکے۔

(ب) صدقہ فطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کا وقت:

اسلام نے اہل ثروت اور دولتمند لوگوں پر زکوٰۃ، عشر اور صدقہ فطر واجب قرار دیا، تاکہ اس دولت سے غرباء، مساکین، مسافرین اور دیگر لوگوں کی معاونت ہو سکے۔ یہ دولت بیت المال میں جمع کی جاتی تھی

پھر وہاں سے حسب ضرورت استعمال میں لائی جاتی تھی۔ بلاشبہ صدقہ فطر واجب ہے ہر اس شخص پر جو صاحب نصاب ہو۔

صدقہ فطر واجب ہے، اس کی تاکید کا اعلان زبان نبوت سے کیا گیا، اس کے احکام و مسائل اکثر زکوٰۃ والے ہیں اور اس کے مصارف بھی وہی لوگ ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ صدقہ فطر عید الفطر کے دن سے قبل ادا کر دیا جائے، یا نماز عید الفطر ادا کرنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ اگر کسی نے نماز عید الفطر سے پہلے صدقہ فطر ادا نہیں کیا یا حقداروں کو نہیں پہنچایا یہ معاف نہیں ہوگا بلکہ یہ بعد میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر 6: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص لصاحب العرية ان يبيعها بخرصها

(الف) ترجم الحديث الى الأردية؟

(حدیث کا اردو میں ترجمہ کریں؟)

(ب) اذكر اختلاف الأئمة في بيع العرايا مع تزيين مذهبك بالدلائل؟

(بیع عرایا کے بارے میں مذاہب آئمہ بیان کریں اور اپنے مذہب کو دلائل سے مزین کریں؟)

(الف) ترجمہ حدیث:

بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب عریہ کو محض اندازے سے فروخت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

(ب) بیع عرایا میں مذاہب آئمہ:

بیع عرایا کی توضیح و تشریح اور تعریف میں آئمہ کا قدرے اختلاف ہے اور اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا موقف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ لوگ اپنے باغ کے ایک یا دو درختوں کا پھل کسی غریب کے لیے ہبہ کر دیتے تھے، پھل پکنے کے زمانہ میں مع اہل و عیال باغ میں تفریح اور پھل کھانے کی غرض سے قیام کرتے تھے اور اس فقیر کا بار بار اس باغ میں درخت موہوبہ سے پھل توڑنے کی غرض سے آنا جانا باغ کے مالک کے بیوی و بچوں کی پریشانی کا باعث بنتا تھا تو مالک اس فقیر سے کہتا: جو درخت پر پھل موجود ہے وہ مجھے فروخت کر دو اور اس کے عوض میں تمہیں تیار (توڑی ہوئی) کھجور دے دیتا ہوں، بیع کی اس صورت کو "عرایا" کہا جاتا ہے۔ تاہم اپنے اصل کے اعتبار سے یہ بیع مزابنہ ہے جو کہ ناجائز ہے، چونکہ یہ حقیقتاً بیع نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا ہبہ ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً اس کی اجازت دے دی۔

۲- حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ایک با قاعدہ بیع ہے اور جائز ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت سب پر عیاں ہے۔

۳- حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ بیع عرایا در حقیقت بیع مزابنہ ہے یعنی درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض توڑی ہوئی کھجوریں فروخت کرنا، جو کہ ممنوع صورت بنتی ہے۔ تاہم پانچ وسق سے کم میں بیع مزابنہ کی جائے تو وہ بیع عرایا ہے، جو جائز ہے۔

۴- حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ بیع عرایا پانچ وسق سے زیادہ میں جائز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الثمر بالتمر الا انہ رخص فی بیع العریۃ"

اس روایت میں بیع عریہ کے جواز کی صراحت ہے اور دوسری روایت میں پانچ وسق سے کم کی اجازت کا ذکر ہے۔

احناف کی طرف سے حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ عرایا کی اجازت کے سلسلہ میں اکثر روایات مطلق ہیں، جو روایات خمسۃ اوسق کے ساتھ مقید ہیں۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پانچ وسق میں اجازت دی مگر بعد میں مطلقاً عرایا کی اجازت دے دی، کیونکہ جب عرایا قلیل میں جائز ہے تو کیا وجہ ہے کہ کثیر میں ناجائز ہو جبکہ یہ بیع بھی نہیں ہے کہ اس سے بائع کا کوئی نقصان ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆